

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ

وَرَأَىٰ اللَّهُ لَكُمُ الْخَيْرَ الْخَيْرِينَ ۝

اور (دو) لوگ جو ہم سے غلے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو ضرور اپنے رستوں کی طرف آنے

کی توفیق بخشیں گے اور تعالیٰ اللہ معنوں کیساتھ ہے
(محکم دلائل)

جذبات الحق

ایک ہزار دو سو پچاس میل طویل تبلیغی سفر کی دلچسپ داستان

مصنف

حضرت مولانا سید عبد الواحد رحمۃ اللہ علیہ

شاگرد رشید

حضرت مولانا عبدالحی فریدی محلہ بٹوالہ

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

اکابر حضرت صوفیہ کا قول ہے جَذْبَةُ قَبْلِ جَذَابِ الْحَقِّ خَيْرٌ مِنْ تَمَلُّقِ الْفُلَانِ
یعنی ایک کشش مشنوں سے حق تعالیٰ کے بستر ہے عمل سے جن اور اس کے۔
پندرہ سالہ تعلیم نام اس دور سالہ کا

جَذْبَةُ الْحَقِّ

رکھا گیا۔ اس میں مولف علامہ حضرت مولانا سید محمد عبد الواحد صاحب امیر جماعت احمدیہ
برہمن پور نے اپنے اجماعی دعوے کی رو سے اقامت مختصر طور پر تجویز کر رکھی ہے۔
جسے دوسری بار حکیم عبد الغنی شاد میر ۱۳۱۳ھ میں بازرگوار لکھنؤ کی ۱۱۱۰ء میں دوسری بار
۱۹۶۶ء میں طالبان حق کے لئے شائع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُ اللّٰهَ الْعَظِیْمَ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

وجہ تالیف

چونکہ اکثر حضرات بہت دنوں سے خاکسار سے اپنے احمدی ہونے کی روئداد قلبند کرنے کے لئے اشتیاق ظاہر کرتے تھے لیکن خاکسار موانع چند در چند کی وجہ سے اس کی تکمیل نہ کر سکتا تھا۔ اب چونکہ زندگی کا خاتمہ نظر آتا ہے معلوم نہیں کہ کب پیغام اجل آ جاوے۔ لہذا ناچار نہایت محنت و کوشش سے باوجود حقوق کمال ضعف و نقاہت کے قلبند کرتا ہوں تاکہ یادگار رہ جاوے اور طالبان حق کے لئے راہبر ہو۔ اول اول تو یہ ارادہ تھا کہ کسی قدر بسط کے ساتھ لکھوں۔ لیکن اس وقت بوجہ حقوق امراض گونا گوں و کمال ضعف و نقاہت نہایت مختصر لکھتا ہوں کہ مَا لَا يَنْدُرُكَ كَلَّةٌ لَا يَنْتَرُكَ كَلَّةٌ مثل مشہور ہے وَمِنَ اللّٰهِ التَّوْفِیْقُ۔

جاننا چاہئے کہ سابق میں خاکسار اپنے والد ماجد مرحوم و مغفور سے جو حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکہ معظمہ قدس سرہ کے شاگرد تھے بیعت کر کے طریقہ محمدیہ میں جو حضرت سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہ کا طریقہ ہے منسلک تھا۔ اور حضرت سید احمد قدس سرہ تیرہویں صدی ہجری کے مجدد امت محمدیہ علیٰ نبیہا الصلوٰۃ والتحیہ مانے جاتے تھے۔ لیکن جب تیرہویں صدی آخر ہونے لگی اور چودھویں صدی آنے لگی۔ تب خاکسار کو چودھویں صدی کے مجدد جدید کا خیال دامن گیر ہوا۔ کہ غریب کوئی دوسرا مجدد ظاہر ہو گا۔ اور اس بارے میں کچھ تجسس و شخص بھی عمل میں لایا۔ کیونکہ ہر ایک صدی کے

سرے پر مجدد جدید کا ظاہر ہونا ایک ضروری بات ہے، مغموائے حدیث مشہور
 اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاسِ كُلِّ مِائَةِ سَلْةٍ مِّنْ يُحْيِيْ ذٰلِهَا
 دِيْنَهَا (مشکوٰۃ) یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا واسطے اس امت
 کے ادھر سر ہر سو برس کے۔ اس شخص کو کہ تجدید کرے واسطے اس کے دین
 اس کا۔ جیسا کہ گزشتہ صدیوں میں ہوتے آئے ہیں۔

اور علمائے محققین اپنی اپنی تالیفات میں مفصل لکھتے آئے ہیں کہ جَمَاعًا لَا
 يَخْفَى عَلٰی اَهْلِ الْعِلْمِ وَالذَّرَابَةِ۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اوپر اہل علم
 اور دریافت کے۔ پس ہر قوم اپنے اپنے مقتداء و معتقدیہ کی نسبت مجدد ہونے کا
 گمان کرنے لگے۔ چنانچہ غیر مقلدین جو اپنے کواہل حدیث کہلاتے ہیں۔ ثواب
 حدیث حسن ظن صاحب بھوپالی کی نسبت یہ گمان کرتے تھے اور بعض بعض
 مقلدین یعنی حنفی المذہب استادنا حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب مرحوم و مغفور
 لکھنوی کی نسبت بھی یہی گمان کرتے تھے چنانچہ مؤلف حدائق الحنفیہ نے مولانا
 مرحوم کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے۔

غرضیکہ کثرت تصنیفات اور تنشیر علوم دین کے سبب ہندوستان کے
 حنفیوں میں اس زمانہ میں اس ہاسیت و لیاقت کا اور کوئی عالم و فاضل دکھائی
 نہیں دیتا جس سے ان کو اگرچہ دسویں صدی کا مجدد امت محمدیہ قرار دیا جاوے
 تو کوئی مبالغہ نہیں ہے اور بعض مواضع و شیر کے اخوند صاحب کی نسبت یہ گمان
 کرتے تھے اور بعض دیگر اشخاص کی نسبت۔ لیکن چونکہ کسی کو بھی متحقق طور پر
 یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے کوئی بات متقرر نہ تھی۔
 جس کے جی میں جو کچھ آتا تھا کہتا تھا اسی طرح پرچہ نکلے امام مہدی آخر زمان کے
 ظاہر ہونے کا بھی غالب مضنہ یہی چودھویں صدی کا آغاز تھا اور وہ وقت بھی

سر پر آپکا تھا اور اکثر علمائے محققین کا خیال بھی اسی طرف جھکا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب مرحوم د مستفور لکھنوی اپنی تالیف لطائف مستحسنہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اِقْتَرَبَ ظُهُورُ الْاِمَامِ الْمَهْدِيِّ اِمَامِ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَمَا اَدْرَاكُمْ لَكُمْ لَعَلَّهٗ
يُظْهِرُنِي هٰذِهِ الْمَسْئَلَةُ

اور لو اب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی تو اپنی تالیفات مثل حدیث الغاشیہ اور رنج الکرامہ وغیرہ میں بہت ہی وضاحت اور صراحت کے ساتھ اپنا یہ گمان ظاہر کرتے ہیں پس اس تقریب سے بہت چھوٹے اور ناقابل لوگ بھی امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ لیکن تمہوڑے ہی عرصہ میں زمانے کی دست بروست نیست و نابود ہو گئے۔ اور اسی سے لوگوں کی طبیعت میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جو امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جھوٹا ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں افواہی طور پر سننے میں آیا کہ پنجاب کے علاقہ گورداسپور میں ایک شخص نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن مجھے اس کی طرف چندال توجہ دودج سے نہ ہوئی۔ اول وجہ یہ کہ امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور دوسری وجہ یہ کہ چونکہ وہ خبر مجھ کو منکرین و مخالفین کے ذریعہ محض بری طرح سے پہنچی تھی۔ اس لئے اس خبر کی تحقیق کی طرف خاکسار کی توجہ مبذول نہ ہوئی۔ اسی زمانہ میں اتفاقاً فاضل محمد دولت خاں صاحب دکیل مرحوم کے لئے ایک ڈبیہ مفرح عنبری کا منگنا پڑا۔ پس میں نے ایک پوسٹ کارڈ وکیل صاحب کی طرف سے لاہور جناب حکیم محمد حسین صاحب قریشی کے پاس لکھ دیا۔ حکیم صاحب نے مفرح عنبری کی تو ایک ڈبیہ بھیجی۔ لیکن اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا رسالہ بھی جس کا نام تفسیر سورہ

جمعہ تھا۔ وکیل صاحب کے نام مفت بھیج دیا۔ وہ رسالہ حضرت خلیفہ اول جناب مولانا نور الدین صاحب * مرحوم و منثور کا لکھا ہوا تھا۔ وکیل صاحب اس رسالے کو پڑھ کر چونکہ کچھ بھی نہ سمجھ سکے اس وجہ سے میرے پاس لے آئے اور کہنے لگے ذرا اسے دیکھئے تو سہی شاید وہاں (لاہور میں) کوئی نیا فرقہ نکلا ہے۔ ہم اس رسالے کو حکیم صاحب کے پاس واپس بھیج دیں گے۔ ہم کو اس بکھیرے سے کچھ کام نہیں ہے۔ میں نے کہا واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم اس کی حقیقت دریافت کریں گے۔ اور رد لکھیں گے۔ پس وکیل صاحب وہ رسالہ مجھ کو دے کر چلے گئے میں نے اول سے آخر تک اسے پڑھا۔ لیکن وہ رسالہ چونکہ طرز جدید پر لکھا گیا تھا۔ اس لئے کچھ بھی لطف نہ آیا۔ بلکہ بالکل فضول سا معلوم ہوا۔ کیونکہ جس طریق پر وہ لکھا گیا تھا ہم اس سے مانوس نہ تھے۔ اسی میں یکایک میری نظر اس رسالے کے ہائیکل خنج پر پڑی جہاں لکھا ہوا تھا کہ اس رسالے کے مصنف کی علییت کے قائل صرف ہندوستان ہی کے علماء نہیں ہیں بلکہ عرب و مصر شام و غیرہم کے علماء بھی ہیں۔ اس نوٹ کو پڑھ کر میرا یہ خیال کہ عوام الناس جاہلوں کا کوئی فرقہ ہو گا ٹوٹ گیا۔ اور حقیقت دریافت کرنے کی طرف مجھے بڑی توجہ ہو گئی۔ آخرش میں نے وکیل صاحب کی طرف سے حکیم صاحب کو ایک پوسٹ کارڈ لکھا۔ اس کا مضمون تھا کہ جن امام کے آپ معتقد ہوئے ہیں۔ ان کے کچھ حالات لکھیں۔ اور ان کی لکھی ہوئی کچھ کتابیں بھی ارسال فرما دیں۔ تاکہ ہم لوگ بھی ان کے فیض سے مستفیض ہو سکیں اسی اثناء میں اللہ کا خود وکیل صاحب بھی آگئے اور یہ دیکھ کر کہ میں نے ان کی طرف سے حکیم صاحب کو ایک پوسٹ کارڈ لکھا۔ انہوں نے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ حکیم صاحب کتابوں کا کوئی وی پی بھیج دیں۔ یہ بھی لکھ دینا چاہئے کہ جو کچھ

بھیجیں پھر بیچیں کیونکہ بغیر کچھ حقیقت و ریاست کے ہم روپیہ پیسہ خرچ نہیں کر سکتے۔

پس میں نے بھی وکیل صاحب کے کہنے سے ویسا ہی لکھ دیا۔ حکیم صاحب نے بڑے شہدود سے اس خط کا جواب وکیل صاحب کو یہ لکھا کہ جب آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا کا کوئی کام بغیر پیسے کے نہیں چلتا تو کیا دین اور خدا طلبی کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے آپ کے پاس پیسے نہیں ہاں ہو سکتا ہے کہ دس بیس روپیہ کی کتابیں خرید کر ہم آپ کو بھیج دیں لیکن جبکہ ہم نزدیک والے اور غریبوں کے لئے اس قدر خرچ نہیں کر سکتے۔ تو آپ کے لئے جو اس قدر دور کے رہنے والے ہیں اور مرنے والے بھی ہیں روپے خرچ کرنا مناسب خیال نہیں کرتے۔ میں آپ کے لئے بھیجوں تو بھیجوں کیا کتابیں تو یہاں بست ہیں۔ اور اخیر میں لکھا کہ آپ مہربانی فرما کر فی الحال صرف پانچ روپیہ میرے پاس بھیج دیں۔ تو میں کچھ کتابیں مناسب حال آپ کے انتخاب کر کے بھیج دوں گا۔ حکیم صاحب ممدوح نے حضرت صاحب کے کچھ حالات بھی مختصر طور پر لکھ کر بھیجا تھا جس میں آئٹم اور لیکچرام کے واقعات بھی کچھ تحریر تھے۔ اور ریویو آف ریلیجنز اردو کے چند رسالے بھی مفت روانہ کئے۔ وکیل صاحب نے ان رسالوں کو لا کر میرے پاس ڈال دیا۔ پس وہ رسالے میرے پاس پڑے رہے اور کبھی کبھی میں ان میں سے کسی نہ کسی کو اٹھا کر دیکھ لیتا تھا۔ اور دل میں کہتا تھا کہ اگر اس مدعی امام کی اپنی تصنیف کی ہوئی کوئی کتاب یا تحریر ہاتھ آتی تو حقیقت حال معلوم ہو جاتی۔ ان رسالوں کو الٹ پلٹ کرتے کرتے لکھا ایک ایک دن حضرت صاحب کی ایک تحریر خاکسار کی نظر سے گذری۔ میں نہایت توجہ کے ساتھ اس کو پڑھنے لگا مگر تحریر سے ایک شان و عظمت ظاہر ہوتی تھی۔ پڑھتے پڑھتے اچانک ایک

چکا چونکہ سا آنکھوں میں معلوم ہوا۔ پس آنکھوں کو مل کر پھر پڑھنے لگا۔ اور پھر ایسا ہی معلوم ہوا اور پھر آنکھوں کو مل کر پڑھنے لگا۔ اور پھر وہی حالت ہوئی۔ تب میں نے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ تب عمارتوں کے اندر ایک روشنی سج معلوم ہوئی۔ میں نے دل میں کہا کہ اہل باطل کی تو بہت سی تحریریں میں نے دیکھی ہیں۔ لیکن یہ کیفیت کسی میں نہیں پائی اہل باطل کے کلمات عظمت سے پر ہوتے ہیں۔ یہ روشنی کیسی۔ پھر حضرت صاحب کی کتابیں دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور ایک مرتبہ دل میں آیا کہ حکیم صاحب نے جو پانچ روپیہ وکیل صاحب کے پاس سے طلب کیا تھا وہی پانچ روپیہ خفیہ میں حکیم صاحب کے پاس اپنے نام سے بھیج دوں تاکہ حکیم صاحب کچھ کتابیں میرے نام پر روانہ کر دیں۔ لیکن اس اثناء میں رسالہ ریویو آف ریلیجیونز کے ایک نمائندہ پر حضرت صاحب کی تصنیف کردہ کتابوں کی ایک فہرست دیکھنے میں آئی۔ اس لئے حکیم صاحب کی وساطت کی ضرورت نہ رہی بلکہ میں نے براہ راست خود ہی تادیان سے تھوڑی کتابیں مثلاً ازالہ اوہام ہر دو حصہ۔ تختہ گوٹھو یہ۔ نشان آسمانی لیکچر لاہور اور لیکچر سیالکوٹ وغیرہ وغیرہ بذریعہ دی۔ پی منگالیں۔ اور بہت ہی توجہ کے ساتھ ان کتابوں کو پڑھنے لگا۔ اور جہاں جہاں اپنی دانست کے خلاف کچھ پاتا تھا حاشیہ پر نشان کرتا جاتا تھا۔ تاکہ نظر ثانی میں اس کی اچھی طرح تحقیق کر سکوں۔ اور کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا تھا۔ کہ وہی کتاب پڑھتے پڑھتے شبہ دور ہو جاتا تھا۔

ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد اور بھی کتابیں بد فہمت منگایا اور پڑھتا گیا۔ آخر اور جوں جوں کتابیں پڑھتا تھا۔ شوق بڑھتا جاتا تھا اور صداقت کی روشنی دل میں پیدا ہوتی جاتی تھی۔ اول اول جب کتابیں پڑھتا اور کوئی بات دل میں کھٹکتی

تو تردید لکھنا شروع کر دیتا۔ لیکن جب اپنی تحریر پر نظر ثانی کرتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کچھ بھی نہ ہوئی اور پھاڑ ڈالتا تھا۔ اسی طرح کانٹہ کے بہت سے اور اوراق ضائع ہوئے۔ اور بالآخر میں تھک کر رہ گیا اور تردید لکھنے کا خیال دور کر دیا۔ پھر حضرت صاحب کی تائید میں کچھ زور طبیعت صرف کرنے لگا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں غیر معمولی قوت معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد میں حضرت صاحب سے بلا واسطہ خط و کتابت کرنے لگا۔ اور اپنے شبہات کے جوابات خود حضرت صاحب سے طلب کرنے لگا۔ چنانچہ میرے بعض سوالات کے جوابات حضرت صاحب کی تصنیف براہین احمدیہ حصہ پنجم میں چھپے ہوئے موجود ہیں جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔

اس عرصہ میں مجھ پر کئی امور کھلے

(۱) ایک یہ کہ اس جماعت میں بڑے بڑے علماء بھی ہیں جیسا کہ سابق اس کا کچھ ذکر بھی کیا گیا ہے۔

(۲) یہ کہ مدعی ممدویت خود بھی ایک بڑا عالم مخلص ہے کہ اس کے سامنے دوسرا کوئی عالم کوئی چیز ہی نہیں۔

(۳) تیسری حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس مدعی ممدویت نے یہ علم کسی نامی مگر اسی عالم سے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ اوائل عمر میں گھر میں کچھ معمولی سی تعلیم اس کی ہوئی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

(۴) چوتھا امر یہ کہ پنجاب و ہندوستان کے اکثر علماء اس کے اس قدر مخالف ہیں کہ جان تک لینے کو تیار ہیں۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ مخالف علماء کے خیالات کو بھی دیکھنا چاہئے۔ تاکہ معلوم ہو کہ منصفانہ احقاق حق و ابطال باطل کرتے ہیں۔ یا متعصبانہ کلام کرتے ہیں۔ پس جب سنتا کہ کسی عالم معتبر نے کوئی کتاب

رسالہ لکھ کر حضرت صاحب کی تردید میں شائع کیا ہے فوراً اس کو منگاتا اور بڑے غور سے اس کو پڑھتا۔ اور حضرت صاحب کی تحریر کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھتا تھا۔ مخالف علماء کے بعض رسالوں کو بڑی جستجو سے گراں قیمت دے کر منگاتا اور بہت ہی بڑی توجہ کے ساتھ غور سے پڑھ کر کیفیت حال دیکھتا تھا۔ بالآخر منکشف ہو گیا کہ مخالف علماء کو احقاق حق و تحقیق مطلب منظور نہیں۔ بلکہ عوام الناس کو خوش کرنے کے لئے پرانی باتوں کی تائید حتی الامکان نظر رکھتے ہیں اور دلائل حقہ قویہ سے مدعی مسودیت کی باتوں کو نہیں پرکھتے اور خشیت اللہ سے بھی کچھ حقہ نہیں رکھتے۔ بلکہ دنیا طلبی اور رونیوی عزت و آبرو کی محبت ان پر غالب ہے جیسا کہ گذشتہ زمانے میں تمام جمیوں کے ساتھ معاملہ ہوتا آیا ہے۔

كَمَا لَا يَخْضِي عَلَى أَهْلِ الْخَبَرَةِ۔

المختصر وہ ساری کار گذاریاں جو اوپر لکھی گئیں۔ خفیہ خفیہ ہوتی رہیں اور لوگوں پر ظاہر نہیں کی جاتی تھیں حتیٰ کہ وکیل دولت خان صاحب پر بھی اس کا اظہار نہ کیا جاتا تھا ہاں کبھی کبھی بعض مخلص تلامذہ پر میں خفیہ طور سے کچھ ظاہر کر دیتا تھا اور کبھی حضرت صاحب کی کوئی کتاب پڑھ کر ان کو سمجھا دیتا تھا۔ یہاں تک کہ وکیل صاحب کو میری اس کارروائی کی کچھ کچھ کیفیت معلوم ہو گئی۔ اور جب حضرت صاحب کی بعض کتابیں مجھ سے لے جا کر پڑھنے لگتے تب میں بھی ان کو کبھی کبھی کچھ سمجھانے لگا۔ پس انہوں نے بھی سلسلہ حقہ کا کچھ مزہ پایا۔ اور شوق سے سلسلہ کی کتابیں پڑھنے لگے۔ پھر سلسلہ حقہ کے معتقد بن گئے۔ اور خوب معتقد بنے یہاں تک کہ بعض لوگوں کو تبلیغ کرنے لگے۔

قبل میرے احمدی ہونے کے ہی ہنگامہ سازی و جلسہ پرواز می ہونے لگی

اگرچہ جرمن بڑیہ میں ہمارے یہاں خفیہ طور پر احمدیت کا چرچا ہوتا تھا پھر بھی ہفتہ بے آنکا "مشک و عشق راتواں شفقن" طرف و جوانب میں اس کی شہرت کسی قدر ہو چکی تھی۔ وراں راہ سے لوگ میری کچھ نہ کچھ شکایت بھی کرے لگے تھے۔ اس وجہ سے یہ ایسے مولوی لوگ جو میرے سامنے آکر کچھ کہنے کی بھی طاقت نہ رکھتے تھے مانہا نہ پراسکتے لگے اور عوام کے سامنے میں راہ سے کچھ فہمی و تسخیر بھی کرنے لگے یہ حال نکر وکیل صاحب کو کچھ غصہ سا لگیا تو انہوں نے ایک جلسہ قرار دے کر اور تاریخ مقرر کر کے ایک اشتہار اس مضمون کا چھپوا دیا۔ کہ جو مولوی صاحبیاں سلسلہ احمدیہ کے خلاف دلائل محکم رکھتے ہیں انہیں چاہئے کہ آپ دلائل لے کر جلسہ کو روہ میں حاضر ہوں انہیں پیش کریں۔ انہیں اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی اطراف و جوانب میں ایک دھوم مچ گئی اور ایک طوفان برپا ہو گیا۔ لوگ مولویوں کو کہنے لگے کہ آپ لوگوں کی جو اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے بڑی بڑی باتیں کیا کرتے ہیں اس جلسہ میں جانے پر کیفیت حال معلوم ہوگی۔ آپ لوگوں کو اس جلسہ میں ضرور جانا چاہئے۔ مخالف مولویوں میں میرا ایک سخت دشمن مولوی سعد اللہ نامی تھا اس نے اپنے پیچھے کو جس کا نام مولوی شمس الدی تھا اور اس وقت وہ کلکتہ ہائیکورٹ میں وکیل تھا بہت زور کے ساتھ لکھا کہ اس نے یعنی خاکسار نے اس میں ایک جلسہ مباحثہ قرار دیا ہے اگر اس میں نہ جاؤں تو عوام میں میری مخالفت

ہوگی اور اگر جاؤں تو اس سے (یعنی خاکسار سے) مقابلہ مشکل ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے ایک یا دو ایسے زبردست فاضل مولوی بلاویں جو اس کو (یعنی خاکسار کو) اچھی طرح شکست دے سکیں۔ پس مولوی محسن احمد علی نے اپنے چچا کی خاطر اس میں بڑی کوشش کی اور جیتو کے بعد دو (۲) مولویوں کو بلایا۔ ان میں سے ایک تو مولوی عبدالوہاب ہماری حنفی تھا۔ اور دوسرا مولوی عبداللہ چھپرائی جو گروہ اہل حدیث سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ دونوں سلسلہ حقہ کے سخت دشمن تھے۔

المختصر روز مقرر ہوا پر دونوں مولوی صاحبان صبح کے وقت بذریعہ شیخ برہمن بڑیہ میں وارد ہوئے۔ اور مولوی ولی اللہ سب رجسٹرار کے پاس جو مولوی محسن احمد علی کے دوسرے چچا تھے۔ فروکش ہوئے۔ اور وہیں ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام ہو۔ جلسہ کے اشتہار میں وقت مباحثہ آٹھ بجے دن قرار دیا گیا تھا اور ہم لوگ اسی کے مطابق جلسہ گاہ میں جو بمقام عید گاہ تھی جا پہنچے۔ لیکن مخالف مولوی صاحبان تقریباً ایک بجے وہاں گئے اور ان لوگوں کے جانے کے بعد اس بات پر گفتگو شروع ہوئی کہ بحث کس کس مسئلہ میں ہوگی۔ اور کس ترتیب سے ہوگی۔ جلسہ کے لوگ دو فریق ہو گئے ہماری طرف کے لوگ تو یہی کہتے رہے کہ اشتہار میں جو ترتیب لکھی ہوئی ہے ہی طرح ہو۔ اور مخالف فریق کے لوگ کہتے تھے کہ اشتہار میں لکھی ہوئی ترتیب سے کیا غرض۔ مولانا صاحبان اس وقت جو ترتیب مقرر کریں اسی طرح ہو۔ اس نزاع نے بہت طول کھینچا اور کوئی فریق دوسرے فریق کی بات کو نہیں مانتا تھا۔ آخر اس گفتگو ہی میں دن کے تین بجے کے قریب ہو گئے اور صورت حال یہی ہو رہی تھی کہ بحث بالکل نہ ہو۔ اس وقت مولوی عبدالوہاب ہماری کھڑے ہو کر نہایت افسوس کے ساتھ

کہنے لگے کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ مشقت سفر اٹھ کر تو ہم یہاں پہنچ گئے
لیکن ایک بات بھی کہنے کا موقع نہیں مل رہا۔ اور یہ صحت بالکل اکارت جا رہی
ہے بہتر تو یہی تھ کہ جس اشتہار کے سبب آپ صاحبان یہاں آئے ہیں۔ اسی کے
مطابق بحث شروع کریں۔ یہ سارے بھگڑے تو آپ ہی کی طرف سے ہو رہے
ہیں۔

میں نے دیکھا کہ ہماری طرف کے بعض لوگ بھی چاہتے ہیں کہ وہ مولوی
صاحبان جو اس قدر دھوم دھام سے آئے ہیں۔ ذرا ان سے بھی سن لیں کہ وہ
کیا کہتے ہیں۔ پس میں نے اجازت دے دی۔ مولوی عبدالوہاب نے اس کو
غنیمت سمجھا اور کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی۔ لیکن جس طرح غیر احمدی
بازاری ملک کرتے ہیں اسی طرح ادھر ادھر کی باتیں کہنے لگے اور محققانہ طور پر
کوئی نکتہ باریک یا تحقیق غامض بیان نہیں کیا یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کو
آسمان پر بٹھا کر اتارنے کے لئے میٹھی تیار کرنے لگے اور اپنی تقریر کو بہت
طوفاں دے دیا یہ حالت دیکھ کر ہماری طرف کے ایک شخص نے میری طرف
مخاطب ہو کر پوچھا کہ کیا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے شرارتاً یہ منصوبہ کیا
ہے یہ سارے وقت مولوی عبدالوہاب سے لیویں اور آپ کچھ کہنے نہ پائیں۔ تاکہ
بعد کو انہیں یہ کہنے کا موقع مل سکے۔ کہ کلکتہ سے آئے ہوئے مولویوں کے
مقابلہ برہمن بڑیہ کے مولوی عبدالواحد صاحب زہاں بھی نہ ہلا سکے۔ یہ سکر میں
جلد کھڑا ہو گیا اور ہڈاؤ بلند اٹل جلد کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ کہ حضرات
کیا آپ آج صرف اسی طرف کی سٹیں گے یا مجھے بھی کچھ کہنے کا موقع دیں گے۔
یہ سکر ہر طرف سے لوگوں نے مولوی عبدالوہاب کو کہنا شروع کیا کہ بس اب
آپ اپنی تقریر ختم کریں اور برہمن بڑیہ کے مولانا صاحب کو کچھ کہنے دیں۔ پس

مجبوراً مولوی عبدالوہاب ہماری چپ ہو کر بیٹھ گئے۔ اور خاکسار نے کھڑے ہو کر بڑی تیزی کے ساتھ تقریر شروع کر دی۔ پہلے یہ تمہید اٹھائی کہ جس وقت سے میں مغربی ہند کے سفر سے اس ملک میں واپس آیا ہوں کوئی مولوی میرے مقابل کھڑا نہیں ہوا تھا۔ دونوں سننے میں آیا تھا کہ مغربی ہند کے دور پر دست فاضل مولوی آئے ہیں یہ خبر سنا کر میں بہت خوش تھا کہ ایک مدت کے بعد میں اپنے دل کے خواہشے ٹکالوں گا۔ اور فاضل نہ گفتگو ہو گی۔ اس وقت ایک شخص نے جو تقریر کی اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس شخص کو علم سے کچھ بھی تعلق نہیں بلکہ اس سے بالکل بے بہرہ ہے۔ بارادری نامی جس طرح تقریریں کیا کرتے ہیں اسی طرح اس شخص نے بھی کی۔ کوئی عامانہ نکتہ یا کوئی علمی تحقیق بیان نہیں کی۔ جو آیات قرآنی یا حدیثیں اس شخص نے بیان کیں۔ ان کے معانی بالکل غلط بیان کئے۔ اب آپ حضرات خاموش بیٹھ کر تھوڑی دیر سنیں میں ایک ایک آیت اور حدیث تلاوت کر کے ان کے معنی سنانا ہوں۔ اس کے بعد سب سے پہلے میں نے مسئلہ وفات مسیح اسی پر کچھ بیان کرنا شروع کیا۔ ورنہ یہ سب کچھ کی تردید کرنا تھا۔ میری تقریر کی روانی کو دیکھ کر مخالفین کے چہرے چھوٹ گئے اور بیٹھ کر سننے کی تاب نہ رہی یہ دیکھ کر ناچار اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مولویوں کو ساتھ لے کر جلسہ گاہ سے چلے جانے لگے۔

عام حاضرین میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جب ان کے مولوی صاحب نے وعظ بیان کیا تب تو ہمارے مولوی صاحب بیٹھ کر سنتے رہے۔ مگر جب ہمارے مولانا صاحب تقریر کرنے لگے تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مولویوں کو ساتھ لے کر چلے جاتے ہیں اللہ ارادہ اور نہیں سرگزر جانے نہ دو۔ اس خیال کا پیدا ہونا تھا کہ کئی ہزار آدمیوں نے اس کو مسجد ان کے مولوی کے گھیر لیا۔ اور جانے

سے روکا۔ پس مجبور ہو کر وہ ہنگ سدا اپنے موویوں کے جلسہ گاہ میں واپس آگئے اور بیٹھ کر میری تقریر سننے لگے۔

یہ وقت نہایت ہی نازک تھا۔ اگر مخالفین کی طرف آدمی زیادہ ہوتے اور جلسہ گاہ سے بزور چلے جانا پڑتا تو اس وقت سخت رہیبت تک کی نوبت پہنچ جاتی۔ مگر چونکہ اس طرف آدمی بہت ہی کم تھے اس لئے وہ لوگ بزور چلے جانے کی جرأت نہ کر سکے اور ناچار واپس ہٹ کر بیٹھ گئے۔

الغرض جب عصر کی نماز کا وقت تک ہوئے لگا تو اذان دے دی گئی اور میں نے تقریر ختم کی۔ لوگ جلسہ گاہ سے اٹھ کر دھوا دھرجانے لگے اور دھارے مخالفین جلسہ گاہ چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرے جب بھی نماز عصر رہیں پڑھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور اس دن کی کارروائی اس طرح ختم ہو گئی۔

دوسرے دن دیکھا گیا کہ مخالفین میں بڑی دوڑ دھوپ ہو رہی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک منہ مخالف نے بازار میں جلسہ دعوہ قرار دیا ہے۔ تاکہ اس میں مولوی صاحبزادہ احمدیہ کی اہمیت بیان کریں اور میری بھی توہین کی جائے۔ لیکن شن الٹی کہ اس دن صبح کو جلسہ نہ کورہ میں جانے سے پہلے بہاری مولوی صاحب نے میرے ایک شاگرد سے میرا مفصل حال دریافت کیا۔ جس قدر اسے معلوم تھا اس نے بیان کر دیا پھر بہاری مولوی صاحب نے اس سے یہ بھی دریافت کیا کہ تمہارے مولوی صاحب کی کوئی تصنیف چھپی ہوئی ہے یا نہیں۔ جس کے جواب میں اس شخص نے بتایا کہ مولانا صاحب کی متعدد تصانیف ہیں۔ اس پر مولوی مذکور نے میری کوئی کتاب دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور اس نے رسالہ قہست الانوار لے جا کر پیش کر دیا۔ اس کو دیکھ کر بہاری مولوی صاحب بالکل متغیر ہو گئے اور میری نسبت کہنے لگے

کہ آدمی تو بہت ہی قابل معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے قبل بعض رازداروں نے ان کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہاں کے لوگ بڑے مولوی صاحب کے ایک مستعد ہیں کہ اگر ان کی نسبت کوئی نام نہ نہ لفظ آپ زبان پر لاویں گے تو یہاں سے عزت لے کر جانا مشکل ہو جائے گا جس کی تصدیق گزشتہ دن کے جلسہ کے حالات سے بھی ہو چکی تھی۔ پس اس وقت سے ہماری مولوی صاحب کو برہمن بڑیہ سے باعزت واپس جانے کی فکر پڑ گئی اور ہر طرح کے حیلے بہانے تلاش کرنے لگے۔

بہر کیف مولوی صاحبان بازار کے جلسہ میں کچھ لیکن دل میں وہی خیال رہا۔ ایک مفید مولوی نے کہیں سے ایک ایسا فتویٰ بہم پہنچایا کہ جس میں احمدیوں کی مذمت لکھی ہوئی تھی اور یہ کہ ارادہ کیا کہ تقریروں کے ختم ہو جانے پر ہماری مولوی صاحب اسے پڑھ کر لوگوں کو سنائیں بازار کا جلسہ تو ہوا اور مولویوں نے تقریریں کیں لیکن کوئی نام نہ نہ لفظ میرے خلاف زبان پر نہ لا سکے۔ بلکہ بعض اوقات تعریف کرتے رہے۔

جن مفیدوں نے میرے خلاف ان سے کچھ کہلایا فتویٰ کا اعلان کرنا چاہا تھا وہ ناکام رہے۔ مولویوں کی تقاریر نے ان کی ہمتیں پست کر دیں۔ جس مفید مولوی نے اس بیہودہ فتویٰ کو عوام میں پیش کرنے کے لئے جیب سے نکالا تھا۔ پھر جیب کے اندر رکھ لیا۔ اور یہ بھی شاہ گیا۔ کہ ہماری مولوی صاحب اس جلسہ سے بھی کہہ کر اٹھے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مولوی عبدالواحد صاحب کے مقابل کوئی دوسرا عالم اس عقد شرقی بنگال میں موجود نہیں ہے۔ پس یہاں کے لوگوں سے جس طرح ہو سکے ان کو قادیانی ہونے سے باز رکھیں کیونکہ مبادا یہ مولوی صاحب قادیانی ہو گئے تو علاقہ کا عداوت بالکل بے دین ہو جائے گا۔

انٹریض مولوی صاحبان بازار کے جلسہ سے واپس آنے کے بعد سے اس فکر

میں پڑ گئے کہ کسی طرح خاکسار سے ملیں۔ مگر چونکہ اسی طرح چلے آنے میں لوگوں کے بد قن ہو جانے کا خوف تھا اس وجہ سے یہ تدبیر ہونے لگی کہ خاکسار کو کسی طرح مولوی ولی اللہ صاحب سب رجسٹرار کے مکان پر لے جائیں۔ اور اس غرض کے لئے دو شخص تیار ہوئے کہ جس طرح بھی ہو گا مجھے سب رجسٹرار صاحب مذکور کے مکان پر لے جائیں گے۔ انا دونوں میں سے ایک تو ہائی سکول پرائمری بڑیہ کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اور دوسرے صاحب پرائمری بڑیہ کے ایک مسلمان تعلقہ دار تھے۔ یہ دونوں میری بڑی منت سماجت کرنے لگے اور بہت کچھ کہہ سن کر اس بات پر راضی کیا کہ میں وہاں چلا جاؤں کیونکہ اس سے پہلے بھی میں کبھی کبھی سب رجسٹرار صاحب کے مکان پر جایا کرتا تھا اور وہ مولوی صاحبان بھی جو کلکتہ سے آئے تھے مجھ سے ملنے کے لئے بہت مشتاق تھے۔ مولوی صاحبان خود ہی میرے پاس آتے۔ پرائمری بڑیہ کی عوام کی چہ میگوئیوں کے خیال سے رکتے تھے۔

المختصر میں ان کے ساتھ مولوی ولی اللہ صاحب کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ اور اس سے پہلے کہ میں وہاں پہنچوں مولوی ولی اللہ صاحب خود چل کر نشانے راہ میں مجھ سے آئے اور تعظیم کے ساتھ مجھے لے گئے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ جو مولوی صاحبان بیرون نجات سے تشریف لائے تھے وہ بیٹھے ہیں اور ان میں مولوی حسن علی نامی ایک شریر شخص بھی جو ہماری مولوی عبد الوہاب کا شرکر و کمالات تھا بیٹھا ہے۔ اور اصرار عرض شہباز پور وغیرہ کے شریر انفس اشخاص جمع ہیں۔ میرے پہنچتے ہی مولوی عبد الوہاب ہماری بڑے تپاک سے اٹھ کر مجھ سے ملا۔ اور ایک کرسی جو پیسے سے وہاں رکھی ہوئی تھی۔ میری طرف بڑھادی جس پر میں بیٹھ گیا اور مولوی عبد الوہاب سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

مولوی صاحب آپ کو معلوم کہ یہاں آپ لوگوں کو کیوں بلایا گیا ہے۔
 مولوی نے گورنر نے نفی میں اس کا جواب دیا۔ تب میں نے کہا کہ آپ کو اس واسطے
 بلایا گیا ہے کہ آپ میرا مقابلہ کریں۔ کیونکہ یہاں کے مولوی میرے مقابل میں
 نہ ٹھہر سکے۔ مگر آپ کو واضح رہے کہ کوہ ہمالہ کے اس طرف اس وقت کوئی ایسا
 مولوی نہیں ہے کہ جو آخر عبدالواحد کو شکست دے جائے۔ ہاں تبادر خیالات
 کا سلسلہ مہینوں چل سکتا ہے۔ آج کل کے جتنے بڑے بڑے علماء ہند ہیں ان میں
 سے اکثر میرے ہم سبق رہ چکے ہیں۔ اور اس امتزہ کے ہم عصر جتنے علماء تھے سب
 فوت ہو چکے ہیں اس وقت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جو علماء موجود ہیں
 ان میں سے ہر ایک کے متعلق مجھے پوری واقفیت ہے کہ ان کا مہنت علم کیا ہے۔

مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنؤی کے متعدد خطوط میرے پاس اس وقت
 بھی موجود ہیں ان کو دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ میرے متعلق کیا خیال
 رکھتے تھے۔ میری یہ باتیں سنکر مولوی عبدالواحد بہاری مجھ سے دریافت کرنے
 لگے کہ مولانا عبدالحی صاحب سے میری کہاں کی ملاقات تھی اس پر میں نے
 انہیں بتایا کہ میں تو انہیں کاشاگرد ہوں۔ وسط ہند میں سوائے ان کے میں نے
 اور کسی سے نہیں پڑھا۔ یہ سنکر بہاری مولوی صاحب مزید تفتیش کرنے لگے
 اور کہنے لگے۔ مولانا عبدالحی صاحب کے درمگاہ بہت مقام لکھنؤ آپ کس وقت
 تشریف رکھتے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں اسی زمانہ میں وہاں تھا۔ جب
 مولوی عین القضاۃ صاحب اور مولوی ابوالحسن صاحب مولانا مرحوم سے پڑھتے
 تھے۔ تب تو وہ میری طرف کسی قدر غور سے دیکھ کر کہنے لگے کہ میں نے بھی
 آپ کو وہاں دیکھا تھا۔ ان کے اس کہنے پر میں نے بھی جو غور ان کی طرف دیکھا
 تو معلوم ہوا کہ میں نے بھی انہیں لکھنؤ میں دیکھا تھا۔ پس ہم دونوں میں

تعارف ہو گیا۔ اور مولوی عبد الوہاب ہماری بڑے اخلاص کے ساتھ مجھ سے ملے۔ چونکہ تعلیم کے زمانہ میں وہ مجھ سے نیچے کی جماعت میں پڑھتے تھے اس وجہ سے وہ کبھی کبھی میرے پاس آکر اپنا سبق یاد کرتے تھے۔ اس کا بھی انہیں خیال آگیا۔ ان وجوہ سے وہ میرے خیر اندیشوں میں سے ہو گئے۔ اور جب یہ بات میرے دوستوں میں مشہور ہو گئی کہ کلکتہ سے جو دو مولوی آئے ہیں وہ میری شاگردی کا اقرار کرتے ہیں تو وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ غرضیکہ مولوی عبد الوہاب نے اپنے اس شریر شاگرد کو جو مولوی حسن علی کے نام سے مشہور تھا اور اکثر دہاتوں میں میری مخالفت کیا کرتا تھا ترش روئی کے ساتھ مخاطب کیا اور کہا حسن علی تم مولوی عبد الواحد صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے ہو یا نہیں چونکہ مولوی حسن علی نے کور کبھی بھی میرے پاس نہ آیا تھا اور میری مخالفت کیا کرتا تھا اس وجہ سے وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔ اور خاموش رہا۔ اس وقت میں نے بتایا کہ بھلا وہ میرے پاس کیوں آئے گا۔ وہ تو آپ کی تعلیم کے اثر سے جاہلوں میں بیٹھ کر میری شکایت کیا کرتا ہے۔

یہ سنا کر مولوی عبد الوہاب آگ بگوا ہو گئے اور حسن علی سے بڑے غیظ و غضب کے ساتھ کہنے لگے۔ کہ کیا واقعی تم ایسا کرتے ہو۔ اگر جیسے تو ٹھہ کر مولوی عبد الواحد صاحب سے معافی طلب کرو۔ یہ سنا کر مولوی حسن علی تو ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ اور ناچار دست بستہ ہو کر مجھ سے معافی کا خواہگار ہو۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اس کو بٹھا دیا۔ اور کہا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ تم کو مناسب نہ تھا کہ ہم سب سے ایسی بد سلوکی کرتے۔ اگر تم ہم سے حسن سلوک کا پرتاؤ کرو گے تو تمہاری آنے والی نسلیں بھی تم سے نیک سلوک کریں گی۔ اور اگر ہم سے بد سلوکی کرو گے تو اپنی آنکندہ نسل سے کبھی بھلائی کی

امید نہ رکھتے۔ ہمیں تو یہ چاہئے تھا کہ ہمارے پاس جو علمی دولت ہے وہ ہم سے حاصل کر کے رکھتے۔ کیونکہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ ہم نہ ہوں گے اور تم علم کے لئے ترسو گے۔ اور ہمیں یاد کرو گے۔

الغرض میں نے اسی قسم کی نصیحت آئینہ ہاتھ پر اپنے کلام کو ختم کیا اور دیکھا کہ صاحبین وہ شہباز چور کے لوگ سو مولوی عبدالوہاب اور ان کے ہمراہیوں کے انتظار کر رہے ہیں کیونکہ انہوں نے ان کی دعوت کی تھی۔ پس ہماری مولوی صاحب اور مولوی عبداللہ چیمپروی مقام شہباز چور کو روانہ ہوئے اور میں بھی ان سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا آیا یہاں تک دوسرے دن کی کارروائی ختم ہوئی۔

تیسرا دن۔ سلوم ہوا کہ آج دوپہر تک ہماری مولوی صاحب اور ان کے ہمراہی شہباز چور سے برہمن بڑیہ واپس آجائیں گے اور اپنے کسی پرستار کے گھر دعوت کھا کر نکلتے کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اس دعوت کرنے والے شخص نے مجھ کو بھی دعوت دی تھی۔ لیکن چونکہ شہباز چور سے مولوی صاحبان کی رہائشی میں دیر ہوئی اس وجہ سے میں نے اپنے گھر کی کھانا کھا لیا۔ اور اس دعوت میں نہ جاسکا۔ آخر شش ساری مولوی صاحب اور ان کے ہمراہی مولوی عبداللہ چیمپروی بڑی دیر کے بعد شہباز چور سے واپس آئے۔ اور دعوت کا کھانا کھا کر اسٹیمر گھاٹ پر چلے گئے۔ تاکہ اسٹیمر سوار ہو کر نکلتے کی طرف روانہ ہو جائیں۔ اتفاقاً میں بھی کسی ضروری کام کے لئے اسٹیمر گھاٹ پر چلا گیا۔ اور وہاں مولوی صاحبان سے ملاقات ہو گئی۔ بہت دیر تک ان سے بات چیت ہوئی رہی۔ آخر شش میں نے ان کی دعوت بھی کر دی اور کہا کہ آج میرے ہاں قیام کر کے کل نکلتے کی طرف روانہ ہو جائیے گا۔ لیکن ہماری مولوی صاحب نے یہ نظر

میں کیا کہ فلاں دن میرے ایک مقدمہ کی تاریخ مقرر ہے۔ مگر آج یہاں سے نہ روانہ ہو جاؤں تو تاریخ مقررہ تک وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے پہرا تقریباً ایک ہزار روپیہ کا نقصان ہو جائے گا۔ اس مرتبہ آپ معاف فرمائیں کسی اور موقع پر جتنے دن آپ چاہیں گے آپ کے یہاں ٹھہروں گا۔ پھر میں نے زیادہ اصرار نہ کیا۔ اور وہ لوگ اسٹیمپر سوار ہو کر کلکتہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن رخصت ہوئے وقت دونوں موصوفی صاحب نے مجھ سے اقرار کیا تھا کہ برہمن جزیہ سے جانے کے بعد سلسلہ احمدیہ کی نسبت مجھ سے خط و کتابت ضرور کریں گے۔ اور جو مصراعات ہوں۔ ان سے مجھے مطلع کریں گے اور جس قدر عرصہ رسالے اس سلسلہ کے خلاف میں مل سکیں۔ وہ مجھے قیامتاً عنایت کریں گے۔ لیکن یہاں سے جانے کے بعد بہاری صاحب نے تو ایک ٹکڑا کاغذ کا بھی میرے پاس نہ بھیجا اور مولوی عبداللہ چیمروی کو چند روز تک کچھ خط و کتابت کرتے رہے لیکن چونکہ ان کے خطوط میں صرف متعصبانہ جھگڑا ہوتا تھا۔ اور عالمانہ اور منصفانہ بات نہ ہوتی بلکہ ثناء اللہ کے رنگ میں تحقیر کرتا تھا اس وجہ سے میں نے اس سے خط و کتابت ترک کر دی۔ واللہ المعین یہاں تک کہ تیسرے دن کی کارروائی ختم ہوئی۔ واللہ اعلم

المختصر اس جنگ وجدل کے بعد بھی میں سلسلہ احمدیہ کی تحقیق حتی الامکان کرتا رہا۔ اور جب سنتا کہ کسی مخالف نے کوئی کتاب یا رسالہ سلسلہ احمدیہ کے خلاف لکھا ہے یا کسی احمدی عالم نے سلسلہ کی تائید میں کوئی رسالہ چھپوایا ہے اس کو منگاتا۔ فوراً سے پڑھتا اور دن رات اس کو جانچتا تھا قادیان کے اخبار ”الفتح“ اور ”امید“ بھی میرے نام جاری تھے۔ مولوی ثناء اللہ مر قسری کے اخبار ”یٹ“ کے پرچے بھی کبھی کبھی منگاتا تھا۔ مجھ میں طرندہ ری بالکل نہ تھی۔

کیونکہ میں بالکل نہ جانتا تھا کہ قادیان بھی کوئی مقام ہے اور اس میں مرزا غلام احمد صاحب بھی کوئی شخص ہیں۔ مگر صرف خشیت الہی سے اس قسم کی تحقیق و تفتیش میں مصروف تھا صرف یہ خیال تھا کہ اگر فی الواقع یہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پروردگار عالم کے حضور جب جانا ہو گا تو کیا جواب دوں گا۔ اسی خوف سے میری یہ حالت تھی کہ کسی قسم کی کوشش تحقیق و تفتیش کی میں نے باقی نہ چھوڑی تھا بیٹھ کر بھی میں اس بارہ میں غور و فکر کرتا۔ استخارہ وغیرہ بھی کرتا۔ اگرچہ میں درپردہ تحقیق و تفتیش میں لگا تھا پھر بھی میری شکایت اطراف و جوانب میں پھیلنے لگی۔ شریر لوگ یوں تو کچھ نہ کر سکتے تھے لیکن ہر سال عیدین کے موقع پر میری شکایت کرتے پھرتے اور اشرار و نابکار لوگوں کو مجھ سے بدظن کرتے تاکہ میں عید گاہ میں عید کی نماز کی امامت نہ کر سکوں حالانکہ میں ہی عیدین کی نمازیں پڑھایا کرتا تھا۔ لیکن ان کی شرارت ہمیشہ ناکام رہتی کیونکہ عین وقت پر جب میں عید گاہ میں پہنچ جاتا تو سب شر و فساد ٹھنڈا ہو جاتا۔ اور اشرار ناکام رہ جاتے۔ چنانچہ کئی سال تک یہی حال رہا اور میں شریروں کا حال دیکھتا اور صبر کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ بہتر ہی کرے گا اسی دوران میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی خبر سننے میں آئی تو میں بہت گھبرا گیا کیونکہ بہت سی مشکلیاں متوقع الوقوع باقی تھیں اور میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مخالفین کو کیا جواب دوں گا۔ لیکن ان ہی دنوں قادیان سے شائع شدہ رسالوں کے مضامین نے میری بہت کچھ تشفی کردی اور کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا۔

بیان سفر ہندوستان و پنجاب

اور اکابر علماء سے گفتگو و بحث

اگرچہ سلسلہ احمدیہ کی حقیقت مجھ پر کھل گئی تھی اور اس میں تشفی خاطر و شرح صدر بھی حاصل ہو گیا تھا تاہم چونکہ ہنگامہ کے اکثر خاص و عام کما کرتے تھے کہ ہندوستان و پنجاب کے اکثر نامی گرامی علماء اس طریقہ سے نفرت کرتے ہیں۔ بلکہ اس کام بھی سناگوارا نہیں کرتے۔ اس لئے میرے دل میں اکثر یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ شاید ان علماء کی تحقیق میں کوئی وجہ و قیل اس طریقہ کے بطلان پر حاصل ہوئی ہو تو جب تک بالمشافہ ان علماء سے اس طریقہ کے بارے میں گفتگو نہ کروں۔ ہرگز اس طریقہ میں داخل نہ ہوں گا۔ اور بعض اوقات یہ بھی خیال آتا تھا کہ قاریان میں جو لوگ حضرت مرزا صاحب کی صحبت میں رہے ہوئے ہیں ان کی عملی حالت اور روحانی کیفیت بھی چشم خود دیکھ لینی چاہئے کہ کیسی ہے تاکہ ہر طرح اطمینان و تسکین خاطر حاصل ہو جائے۔ پس میرے احمدی ہونے میں مذکورہ بالا دونوں باتیں حاصل تھیں۔ اور دونوں ایک سفر دراز کو چاہتی تھیں۔ میں ہر سال اردہ کرتا تھا کہ اس مہینے کی تعطیل میں وہ سفر کروں۔ لیکن تعطیل کے شروع ہونے سے پہلے ہی میری طبیعت خراب ہو جاتی تھی۔ اور میں بیمار ہو جاتا تھا۔ لیکن ۱۹۱۳ عیسوی کے اکتوبر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے مجھے اس سفر کی توفیق عطا کی اور میری طبیعت بھی منضبط و تندرستی آجھی رہی۔ بحوالہ الہی خاکسار مستدرجہ ذیل تین دوستوں کو ساتھ لے کر عازم سفر ہوا (۱) مولوی امداد علی (۲) قاری دلاور علی (۳) دھانوشی۔ اور

ہم بزرگ ستام برہمن بڑیہ سے روانہ ہو کر شہر کلکتہ پہنچے۔ چونکہ سنا گیا تھا کہ مولانا شبلی نعمانی اس وقت لکھنؤ میں ہیں۔ اس لئے کلکتہ سے روانہ ہو کر پہلے لکھنؤ گیا۔ اور وہاں مرزا اکبر الدین احمد صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ لکھنؤ کے مکان پر قدم رکش ہوا۔ اگرچہ مرزا صاحب اپنی مددست پر گئے ہوئے تھے اور گھر پر موجود نہ تھے۔ پھر بھی ان کے بھائی صاحب بہت ہی خاطر و تواضع کے ساتھ پیش آئے۔ تیسرے پہر کو میں نے ان کو بتایا کہ میری اصل غرض لکھنؤ آنے کی یہ ہے کہ مولانا شبلی صاحب سے مل کر تخلیق میں کچھ باتیں کروں اس کے لئے کون سا وقت موزوں ہوگا۔ یہ سنکر انہوں نے اپنی انجمن احمدیہ کا ایک مطبوعہ فارم نکال کر مولانا شبلی کے نام ایک خط لکھا کہ بنگال سے ایک عالم ہرے میں تشریف لائے ہیں اور جناب سے ملاقات کے خواہشمند ہیں براہ عنایت مطلع فرمائیں کہ جناب سے ملنے کا کون سا وقت موزوں ہوگا۔ یہ خط جب لکھا جا چکا تو میرے دل میں خیال گذرا کہ یہ لوگ یہاں قدیانی مشہور ہیں۔ پس اگر میں ان کے ذریعہ سے مولانا شبلی سے ملے گی تو وہ ہرگز شرح صدر کے ساتھ مجھ سے نہ لیں گے۔ اور یہ بات میں نے مرزا اکبر الدین صاحب کے برادر عزیز پر ظاہر کی اور کہا کہ صرف ایک رہبر میرے ساتھ کر دیں۔ تاکہ مولانا شبلی کا گھر مجھے دکھا کر چلا آوے۔ میں خود ان سے سب درخواست ملنے کی تدبیر کر لوں گا۔ پس انہوں نے بھی اس تجویز کو پسند کیا۔ اور ایک نوہواں کو جو شاید ان کا بھانجہ تھا میرے ساتھ کر دیا۔ وہ میرے ہمراہ مولانا شبلی صاحب کے مکان تک گیا اور مجھے جگہ دکھا کر چلا آیا۔ میں نے اُسے بڑھ کر دیکھا کہ مولانا کے دروازے پر سائین بورڈ پر لکھا ہوا ہے کہ ”جو صاحب مجھ سے ملاقات کرنا چاہیں وہ چار بجے کے بعد تشریف لادیں۔“

اتھا تا اس وقت چار ہی بچے تھے پس میں مولوی مہاراجی کو ساتھ لئے ہوئے جو میرے ہمراہ تھے مولانا شبلی کے حجرہ میں چاہنچی۔ وہاں دیکھا کہ مولانا میرے حسب وخواہ تھامیٹھے ہوئے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ مولانا شبلی صاحب سے تھامی میں مئے کی وجہ یہ تھی کہ سابق میں جب وہ ملی گڑھ کالج کے عربی پروفیسر تھے اس وقت میں نے ان کے پاس ایک جوابی پوسٹ کارڈ میں یہ سوال لکھ بھیجا تھا کہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کے حیات و وفات کے بارہ میں علماء کے درمیان سخت اختلاف ہے پس اس کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے۔ پتہ لکھ کر دیا؟ انہوں نے اس کے جواب میں اس طرح کی عبارت لکھی تھی۔ قرآن کریم سے بظاہر تو عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پانای معلوم ہوتا ہے لیکن ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور قریب قیامت کے وہ پھر دنیا میں نازل ہوں گے۔

منہجی

ماظہر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سواں وجوہ میں کس قدر بعد ہے۔ اور اصل سوال جواب کی رائے کے متعلق تھا۔ دعووں کے خوف سے اس کا جواب انہوں نے نہ دیا جب تک بات میں نے ان سے بات نہ پوچھی تو انہوں نے کچھ اور ہی جواب دیا جیسا کہ حقیر عرض کروں گا۔ وہ اس کے میں نے بعض لوگوں کی زبانی سنا تھا کہ مولانا شبلی صاحب اس مسئلے یعنی وفات مسیح میں احمدیوں کے موافق ہیں اور لوگوں کے خوف سے اقرار نہیں کرتے۔ اسی لئے میں نے ان سے تجلیہ میں مئے کا انتظام کیا تھا تاکہ وہ اقرار کرنے میں خوف نہ کریں۔ لیکن انہوں نے اقرار نہ کیا۔ کیونکہ جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو اور صرف انسانوں کا ڈر ہو ایسے شخص سے حق کا اعادہ اقرار کرنا بہت مشکل ہے۔

مکالمہ بامولانا شبلی نعمانی

العرض مولانا شبلی صاحب کو ان کی نشست گاہ میں تہہ پا کر میں بہت خوش ہوا۔ اور سمجھا کہ شاید وہ حق کا قرار کر لیں گے کہ واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ خاکسار نے ان کے سامنے جا کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عرض کیا۔ جس کے جواب میں اموں نے ولیکم السلام کہا۔ ورنہ بیٹھنے کی تواضع کی۔ ایک کوچ پر جو وہاں چھپی ہوئی تھی بیٹھنے کے لئے کہا اور میرے بیٹھ جانے کے بعد دریافت کرتے رہے کہ وطن کہاں ہے اور کیا مشغل رکھتا ہوں۔ میں نے اپنا نام بتایا اور کہا کہ بندے کا مکان جس حصہ ملک میں ہے وہاں جناب کا سا عالم میسر نہیں۔ پس اگر جناب اجازت دیں تو بندہ اپنے بعض شبہات عرض کرے۔ تا اس کا حل ہو جاوے۔ مولوی صاحب نے اجازت دے دی۔ تب خاکسار نے پوچھا کہ قاریانی عقائد کے بارے میں جناب کی کیا تحقیق ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے فرمایا کہ مذہب باعدہ میں سے ہے ورنہ اکثر علماء وقت کی رائے ہے۔ پس میں نے کہا کہ جناب نے ابھی اس مذہب کی تردید میں کچھ تحریر بھی فرمایا۔ یا نہیں؟ جس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے اس بارہ میں کبھی کچھ نہیں لکھا۔ پھر خاکسار نے کہا کہ نکھٹا تو ضرور چاہئے تھا۔ آخر کیوں نہیں لکھا۔ مولانا نے جواب دیا کہ میں نے تجرہ کیا ہے کہ جب کبھی کسی باطل مذہب کی تردید کی جاتی ہے تو وہ مذہب درپردہ ہوتا ہے ورنہ خاموشی اختیار کی جاوے تو از خود بدعت بن جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے مارن فطری میں پڑھا ہے کہ بغداد میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان بڑا جھگڑا تھا۔ سنی جب

تک شیعوں کو دہانے کی غرض سے نہ پر حملے کرتے رہے شیعہ اور ترقی کرتے جاتے تھے۔ درہب شیعوں نے سکوت اختیار کیا تب سے شیعہ اور خود کمزور ہونے لگے اور ان میں قتل شروع ہو گیا۔

خاکسار نے کہا کہ جناب کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء سلف نے مذہب باطلہ کی تردید میں جو کہیں لکھی ہیں وہ بے جا تھیں مگر وہ بریں میں نے صوحی محرق کے آواز میں دہرائیں دیکھی میں ان سے ایک یہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رَأَى طَهْرَ الْبَيْتِ أَزْوَاجَ شَيْخٍ وَ نِسَاءٍ أَصْحَابِي فَلَمْ يَطْهَرِ الْعَالَمُ عَلَيْهِمْ فَصَلِّ لَهُ بِمَعْنَى ذَلِكَ فَصَلِّ عَنْهُ لِلَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْسُ اللَّهُ بِشَيْءٍ قَرَصًا وَلَا عَدْلًا؟ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب ظاہر ہوں تھے یا فرمایا بدعتیں اور گالی دینا میرے اصحاب کو پس چاہئے کہ ظاہر کرے عام اپنے علم کو اس پر۔ پس جس نے نہ کیا یہ پس وہ پر اس کے لعنت اللہ تعالیٰ کی ہے در فرشتوں کی اور آدمیوں کی نہ قبول کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے عبادت کو نہ نفل و فرض۔ منجلی اور اگر فرما جناب کی دلیل کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تب بھی چپ رہنا اس وقت مفید ہوتا ہے جب جناب قلم علماء ہند کو اپنے ساتھ متفق کر لیتے۔ در سب کے سب خاموش رہتے اور بغیر اس کے فقط جناب کے چپ رہنے سے کیا فائدہ ہو گا جبکہ ہمیشہ ہر طرف سے تردید کی دھوم مچ رہی ہے جو عیاں ہے۔ میری یہ دلیل سن کر مولانا شبلی صاحب نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور اتنی دیر تک سکوت میں رہے کہ جب پھر جواب کی امید باقی نہ رہی۔ تو خاکسار نے دوسری بات پوچھی۔ جو یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حیات و وفات کے متعلق عام علماء میں بڑا اختلاف ہے۔ اور احمدی عقائد کے جوگ شدہ دہ کے ساتھ وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت

کرتے ہیں۔ جس کا جواب دینا مشکل ہو رہا ہے۔ جناب کی تحقیق اس بارہ میں کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ اس کے متعلق کوئی یقینی بات نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ ادھر بات تو **وَمَا فَتَنُوهُ وَمَا ضَلُّوهُ** یعنی یہودیوں نے نہ تو حضرت عیسیٰ کو قتل کیا اور نہ ان کو صلیب دیا اور دھر فتنے تو قیامتیں کُتبتْ اَنْتَ الرَّقِیْبُ عَذِیْبُہُمْ بھی ہے یعنی جبکہ وفات دے دی تو نے مجھ کو اب پروردگار میرے نقطہ توی نگہبان رہا اور ان کے یعنی نصاریٰ کے۔ انتہی

خاسارنے کہا کہ اس عقیدہ کو ٹھیک کرنے کے لئے اس قدر دور سے جناب کے پاس آیا۔ ب جب جناب بھی فرماتے ہیں کہ کچھ ٹھیک نہیں کہا جاسکتا تو آپ فرمائیے کہ اس کے لئے کہاں اور کس کے پاس جاؤں؟ اس پر مولانا نے فرمایا کہ کیا یہ ضروری ہے کہ شریعت کے ہر ایک مسئلے کو ٹھیک کر یہ جاوے۔ چنانچہ استویٰ علی العرش کے مسئلے میں حضرت امام مالک صاحب فرماتے ہیں **اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْنُوٌّ وَالْكِبَرِيَّةُ مَجْهُوٌّ وَتُسْوَرُ عَنْهُ بِذَعَةٍ** **وَالْاِيْمَانُ بِهِ وَاجِبٌ** یعنی استواء کے معنی سب کو معلوم ہیں اور کیفیت اس کی مجھوں ہے۔ یعنی نامعلوم درساں کرنا اس سے بدعت ہے اور ایمان لانا ساتھ اس کے واجب ہے۔ انتہی

پھر خاسارنے کہا کہ استویٰ علی العرش صفت باری تعالیٰ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے ساتھ بے چون و بے چگون ہے۔ پس اگر استویٰ علی العرش کے بارے میں کہا جاوے کہ ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے تو بے شک بجائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ ایک نبی طہیں اقدس تھے۔ مگر جس بشر سے تھے۔ اور بشر کے لئے یہاں تو وفات ایک معمولی مر ہے پس یہ مسئلہ فقیر استواء علی العرش کی نہیں ہو سکتی۔ اس پر بھی مولانا شبلی

صاحب سکوت کر گئے اور اس قدر سکوت میں رہے کہ جب جواب کی امید باقی نہ رہی تو پھر خاکسار نے توقف بسیار کے تیسری بات پوچھی۔ جو یہ تھی۔ کہ نزول مسیح کی حدیث تو صحیح بخاری میں بھی ہے جس کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے اس میں لفظ نزول کے کیا معنی ہیں۔ خصوصاً بعد ثبوت وفات مسیح کے اور احمدی لوگ تو وفات مسیح ثابت کرنے کے بعد ہی اس کو پیش کرتے ہیں جس کا جواب دینا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مولانا شبلی صاحب نے جواب دیا کہ یہ سب حدیثیں تو اخبار احاد سے ہیں جو یقینی نہیں ہیں خاکسار نے کہا کہ اکثر حدیثیں تو اخبار احادی میں سے ہیں۔ متواتر کہاں ہیں اور ہیں بھی تو بہت ہی کم قطع نظر اس کے اخبار احاد کے بھی تو معنی ہوتے ہیں مسلسل تو نہیں ہیں اور کلام تو معنی ہی میں ہے مفید یقین و مفید ظن ہونے میں تو نہیں ہے اس پر بھی مولانا شبلی نے سکوت فرمایا اور یہ تیسرا سکوت تھا مخفی نہ رہے کہ ان سکوتوں پر خاکسار مولوی شبلی کی مدح و ستائش ہی کرتا ہے کیونکہ عالم کی شان ایسی ہی ہونی چاہئے۔ کہ جس امر میں جواب معقول کی راہ معقول نہ ہو سکوت اختیار کرے اور اب تو نااہلوں کا زمانہ آپڑا ہے کہ سکوت کرنے کو موجب ننگ و عار سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ اس مثل کے مصداق ہیں ”ملا آں باشد کہ چپ نشود“ دانشمند حقیقت رس لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر سکوت نہ کرنا موجب ننگ و عار ہے۔

مکالمہ بامولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی

مولانا شبلی صاحب سے باتیں ہو رہی تھیں کہ یکایک ایک شخص معمر و معلّم آگئے جن کو میں نے ان کی صورت سے نہ پہچانا۔ اسی عرصہ میں اور بھی دس بارہ آدمی باہر سے آکر فرش زمین پر بیٹھ گئے۔ چونکہ مولانا شبلی صاحب نے اس اوس شخص کو بہت عرصے کے ساتھ بٹھایا اس وجہ سے میں نے سمجھا کہ یہ شخص یہاں کا کوئی معزز مولوی ہے پس جب میں نے ان بزرگ سے ان کا اسم گرامی و دولت خان دریافت کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ”ٹونک“ اس پر میں نے کہا کہ وہی ٹونک نا جو ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست ہے۔ میری طرف سے یہ تعقیب سن کر، انہوں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ کسی قدر رز شرو سے ہو گئے۔ جس کی وجہ میں نے کچھ نہ سمجھی یہاں تک گفتگو ہوئی کہ ان دس بارہ آدمیوں میں سے ایک شخص جو نیم مولوی سا نظر آتا تھا کھڑ ہو کر ادب سے کہنے لگا کہ آپ کے محاسب موسیٰ مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی ہیں یہ سن کر میں پھڑک اٹھا اور ان سے مصالحت کر کے کہا کہ آپ تو اس وقت میرے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہیں کیونکہ حاکم ر آپ کا نام نامی بہت دنوں سے سنتا رہا اور آپ کی ملاقات کا بڑا اشتیاق رکھتا تھا۔ آپ کے لکھنؤ میں مل جانے کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ مفتی صاحب مددِ حق نے بھی میرا حال دریافت کیا۔ میں نے انہیں بھی وہی جواب دیا۔ جیسا مولانا شبلی صاحب کو دیا تھا اور چند شبہات کے پیش کرنے کی اجازت طلب کی۔ لیکن میری یہ درخواست سن کر وہ کچھ ٹھہرا سے گئے اور صاف لفظوں میں اجازت نہ دی۔ اس پر مولانا شبلی صاحب کسی قدر مسکرا کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب کو درتو کچھ پوچھنا نہیں۔ فقط قاریانی نہ ہب کے متعلق کچھ دریافت کرنا

ہے یہ من کر مفتی ٹوکی صاحب کسی قدر ہر خندی کے ساتھ ہاتھ بٹکتی گویا ہوئے کہ
 کاویانی مذہب کے متعلق کیا پرچھیں گے۔ ان کے اس سوال کو میں نے اجازت
 پر حمل کر کے کچھ پوچھنا شروع کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے کہا کہ جناب نے
 کاویانی مذہب کے رد میں بھی کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے کہا: ”نہیں“ میں نے پھر
 کہا کہ کیوں نہیں لکھا میں نے تو آپ کا دستخط مرزا صاحب کے مخالفین کے بعض
 بعض فتاویٰ علین پر دیکھا ہے۔ ٹوکی مولوی صاحب نے کہا کہ مجھے مرزا کے
 مذہب کی تردید لکھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ مرزا صاحب کے خیالات کی تردید
 کرنے والے اور بہت سے لوگ ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین پٹالوی نے بہت
 کچھ لکھا ہے۔ پہلے تو وہ مرزا صاحب کے مرید تھے پھر مخالف ہو گئے۔ اس پر میں
 نے کہا۔ میں نے آپ کا لکھا ہوا ایک رسالہ ”فرست“ غراب پر دیکھا ہے اور یہ
 ساریت تعجب کی بات ہے کیونکہ کون کھاتا ہے؟ نہ آپ کھاتے ہیں نہ میں کھاتا
 ہوں اور نہ کوئی کھانے والا کسی کو میں نے دیکھا ہے ویسے ہی جو مسئلہ صحت غراب
 کے بانی مانی ہیں وہ لوگ بھی نہیں کھاتے فقط ایک فرضی بات ہے کہ خدا سے
 اس پر اثر ہے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ کو رد لکھنے کی خوب فرصت ملی اور دھر
 ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمی آپ جیسے برہمنوں کے لڑائی کے مطابق کافر ہو رہے
 ہیں۔ پھر بھی آپ کو رد لکھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس پر ٹوکی مولوی صاحب
 شرمندہ سے ہو گئے اور درجہ تک سر نیچے کئے کچھ غور کرتے رہے جسے میں مولانا
 شبلی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے ملازم کو حکم دیا کہ کمرے کی سب
 کھڑکیاں کھول دے۔ اور دہری طرف مخاطب ہو کر کہا۔ آپ لوگ چھی طرح
 باتیں کریں۔ میں ہر جا کر بیٹھتا ہوں اور پھر ہر جا کر ایک چارپائی پر جو برآمدہ
 میں پڑی تھی بیٹھ گئے۔ اور یوں کتنا چاہئے کہ گویا اپنے عوض ایک درخت کا

میرے لئے چھوڑ کر اپنی جان بچالے گئے۔ اب میں نے پھر مفتی نوکی صاحب سے پوچھا کہ اچھا جناب حیات و وفات عیسیٰ علیہ السلام میں آپ کی کیا رائے ہے اس کا کچھ جواب نہ دے کر وہ جھٹ بوس اٹھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی اگر ثابت ہو جاوے تو مرزا صاحب کو اس سے کیا فائدہ۔ اصل قلام تو ان کی نبوت میں ہے میں نے کہا کہ مرزا صاحب جس قسم کی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں تو میں کچھ قباحت نہیں دیکھتا کیونکہ ان کا دعویٰ نبوت غیر شرعی و غلطی کا ہے اس کی امتناع پر کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی جاتی۔ اور کاتبہ کرام نے بھی اس کے جواز کا اقرار کیا ہے۔ مثلاً شیخ کبیر نے فتوحات مکیہ میں اور امام شعرانی نے لیواقیۃ والحوہ ہر میں۔ اور حاطی قاری نے موضوعات کبیر میں۔ اور شیخ محمد طاہر حنفی نے مجمع البہار میں۔ نوکی مولوی صاحب نے کہا کہ اس کے امتناع پر قرآن و حدیث میں دل نہ ملتا طالعہ موجود ہیں جس سے ہر قسم کی نبوت کا امتناع بعد آنحضرت صلی علیہ وسلم کے ثابت ہوتا ہے میں نے کہا کہ اچھا پہلے قرآن کریم سے دیکھا جائے کہ کون سی آیت ایسی ہے جس سے ہر ایک قسم کی نبوت کا امتناع بعد آنحضرت صلی علیہ وسلم کے ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ مشہور و نہ کوہ آیت پڑھ دی۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبًا أَحَدٍ مِّنْ ذُرِّيَّتِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ یعنی نہیں ہے محمد باپ کسی کا مردوس سے تمہارے لیکن رسول ہے اللہ کا اور خاتم یعنی ہر ہے نبیوں کا۔ میں نے کہا کہ یہ آیت تو بی بی زینب کے نکاح کے بارے میں ہے انہوں نے کہا ہاں۔ پس میں نے پوچھا۔ کہ اس آیت میں لفظ لکن جو کلمہ استدراک ہے اس کی وجہ استدراک کیا ہے اور لفظ رسول اللہ اور لفظ خاتم النبیین کی عطف کی کیفیت کیا ہے اور یہ دونوں معطوف اور معطوف علیہ مقام مدح میں واقع ہیں

بامقام ذم میں لکھیں تو کی موعوی صاحب نے اس سوال کے جواب سے پہلو نہی کی۔ اور صرف لفظ *خاتم النبیین* کو لے بیٹھے اور *خاتم النبیین* کو بار بار *خاتم النبیین* کہتے رہے۔ میں نے کہا کہ حرف "ت" کو زیر کے ساتھ ادا کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ سے بھی آیا ہے اور زیر سے بھی آیا ہے۔

اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں میں نے کہا کہ ہو مگر آپ جس مصنف مجید میں تلاوت کرتے ہیں اس میں کیا لکھا ہے زیر سے یا زیر سے۔ تب انہوں نے بھی تسلیم کیا کہ وہاں زیر سے ہی لکھا ہے اور میں نے پوچھا کہ لفظ *خاتم* کے معنی صر کے ہیں یا نہیں تو انہوں نے اس کو بھی تسلیم کیا۔ اور باوجود ان دونوں اقراروں کے لفظ *خاتم النبیین* کے معنی اخیر نبی کرنے لگے۔ میں نے کہا ان الفاظ کے معنی آپ نے جو آخر لایا وہ کئے ہیں اس کی کوئی دوسری نظیر کلام مستند عرب سے آپ دکھا سکتے ہیں اس کا تو کچھ جواب انہوں نے نہ دیا اور جھٹ کھدیا کہ حدیث شریف میں تو صاف *لَا نَبِيَّ بَعْدِي* آیا ہے میں نے کہا کہ اس کے آپ کیا معنی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کے معنی تو یہ ہیں واضح ہیں۔ اسم کمرہ تحت میں لائے نفی جنس کے جب واقع ہے تب ضرور نفی استغرائی کے معنی ہوں گے۔ میں نے کہا کہ احادیث میں اس قسم کی ترکیبیں کثرت سے واقع ہیں اور ہر جگہ نفی استغرائی کے معنی میں نہیں سکتے۔ چنانچہ ایک حدیث اس طرح مروی ہے کہ *لَا إِسْمَائِيلِيَّ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ* یعنی جس میں امانت نہیں اس کا کچھ ایمان نہیں اور جس میں وفائے عہد و بیان یعنی قول و قرار نہیں اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ انتہی

دیکھئے ان دونوں فہروں میں اسم کمرہ تحت میں لائے نفی جنس کے واقع ہے اور نفی استغرائی بن نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر یہاں نفی استغرائی معنی کئے جائیں تو

جو شخص ایمان میں خیانت کرے اس کو بے ایمان یعنی کافر اور جو شخص اپنے قول و قرار کو توڑے گا اس کو بے دین یعنی کافر کہنا پڑے گا۔ حالانکہ متفقین و شراح حدیث اس حدیث کے ایسے معنی نہیں کرتے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی تہذیب اللہ ابوخذ میں ایسے معنی نہیں کئے بلکہ نفی کمال ایمان و نفی کمال دین کے معنی کئے ہیں۔ پس اس کے مطابق اگر حدیث لَا نَبِيَّ بَعْدِي کے بھی معنی نفی کمال نبوت کے کئے جائیں۔ تب کچھ بھی اشکال باقی نہیں رہتا۔ بلکہ بلا تکلف یہ سمجھتے ہوئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی کمال نبی نہیں جو صاحب کتاب صاحب شریعت و صاحب نبوت مستفید ہو سکیں ہو گا۔ پس اگر آپ کے بعد کوئی نبی غیر قریشی اور نطفی شریعت محمدیہ کے ماتحت ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال جماع سے نبوت حاصل کرنے والا ہو تو اس کا امتناع اس حدیث سے کس طرح ثابت ہو سکتا ہے۔ اور اگر پھر بھی آپ ضد کریں اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے آنے کا امتناع مطلق ثابت کرنا چاہیں تو پہلے بے دین ہونے کا فتویٰ عنایت کریں۔ تو پھر دیکھا جائے گا۔ یہ سن کر مفتی صاحب حواس باختہ ہو گئے۔ اور وہاں سے اٹھ کر ہر مولانا شبلی صاحب کے پاس جا بیٹھے اور جیسے وقت دہلی زبان سے یہ بھی کہتے گئے۔ کہ ایسا ہونے سے تو آپ سب جو کچھ جی میں آوے کہہ سکیں گے؟

انھوں نے جو نیکو مغرب کی نماز کا وقت بہت قریب تھا اور دونوں مولوی صاحبان بھی فرار کر چکے تھے۔ ہم بھی وہاں سے اٹھ کر اور مولوی صاحبان مذکورین کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کو کچھ کلمات نصیحت آمیز نہیں الفاظ کہتے چلے آئے کہ حضرات! آپ لوگ ہمہ تن دنیا کی طرف مائل ہیں اور دین کی طرف بالکل

نظر نہیں کرتے۔ جب توئی لکھتے ہیں۔ تو عنوانات پر لکھتے ہیں۔ چہ فریاد علمائے دین و مفتیاں شرع متین۔ علمائے دین کیا ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ لوگوں کو خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ ہرگز خوش نہ ہوگا۔ دنیا کی یہ عزت و آبرو بالکل بے سود ہے اور دائمی نہیں میرے یہ کلمات سن کر دونوں مولوی صاحبان میرا منہ ہنکتے رہ گئے اور ہم رخصت ہو کر چلے آئے۔

دوسرے دن میں فرنگی محل گیا۔ مقصود یہ تھا کہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مرحوم و مغفور کے داماد سے ملوں اور مولانا مرحوم کے گھر کا حال دریافت کروں لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ گھر میں نہیں ہیں اور کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ پس ان کی تلاش میں مولوی عبدالباری صاحب کے یہاں جا پہنچا۔ مولوی عبدالباری صاحب نے اس دن جذبہ کی دوا استعمال کی تھی۔ پھر بھی ان سے کچھ باتیں ہوئیں ورنہ وہ بھی میں نے اس غرض سے چھیڑا کہ تا انہیں معلوم ہو جائے۔ فقط اس بات کی بناء پر کہ اس کو معلوم ہو کہ میں بھی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مرحوم و مغفور کے شاگردوں میں سے ہوں۔ مولوی عبدالباری صاحب بات بات میں مجھے کہتے کہ مولوی صاحب آپ مقول آدمی ہیں۔ حالانکہ میں نے ان سے کوئی معقویت ظاہر نہیں کی تھی۔ ان غرض باتوں باتوں میں حضرت مرزا صاحب عبد السلام کی بابت بھی درمیان میں بات آگئی۔ مولوی عبدالباری صاحب کہنے لگے کہ میں قادیانیوں سے گفتگو کرتے وقت مسئلہ حیات و وفات مسیح سے گفتگو شروع نہیں کرتا بلکہ میری گفتگو مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت پر کے دلائل سے شروع ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو عام لوگوں کا طریقہ ہے۔ علمائے اہل تحقیق تو ہرگز ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کا فرض تو یہ ہے کہ مسئلہ حیات مسیح کو پہلے دلائل تو پالا سے ثابت کر دیں جس سے سب

کھیزے ملے ہو جاویں۔ لیکن شاید حیات مسیح کے دلائل تو ایسے آپ کے پاس نہیں ہیں اس وجہ سے ایسا نہیں کرتے ورنہ ہرگز ایسی کج راہی نہ اختیار کرتے۔ انہوں نے کہا کہ جس طریق سے مخالف کو جلد مغلوب کیا جائے مصلحتوں میں ی طریق کو اختیار کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک تو حیات مسیح پسے ثابت کر دینے سے سب کھیزے ملے ہو جاتے ہیں بشرطیکہ دلائل تو یہ حیات مسیح اسرائیل آپ کے پاس موجود ہوں انہوں نے کہا کہ حیات مسیح کے دلائل موجود ہونے پر اس کے ثابت کرنے میں کچھ مشکلات ہیں۔ درمیان صاحب کس طرح مدد دی ہو گئے؟ اس سوال کے آتے ہی قادیانی لوگ بہت جلد لاجواب ہو جاتے ہیں۔ تجربہ سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے میں نے کہا کہ واقف احمری ہو گا تو وہ آپ کے دلائل و علامت مدد دی طلب کرے گا۔ اور اس وقت مشکلات آپ ہی پر آپڑیں گے۔ مولوی عبدالباری صاحب نے کہا کہ مدد کی علامات بھی ہم اسی سے دریافت کریں گے میں نے کہا پھر آپ کیا کام کریں گے۔ صوبے نے کہا کہ ہم مدد کی علامات پر جرح کریں گے۔ میں نے کہا کہ آپ کے لئے سب سے بہتر طریق تو یہ ہے کہ آپ اس سے کہیں کہ دو رہیں یا خود رہیں سے آپ کو دکھا دیوے کہ مدد کی کیا ہوتا ہے اس موقع کے لئے خاقانی نے خوب ہی کہا ہے

انصاف نماں شد و وفا ہم

بالآخر میں نے کہا کہ جتنی باتیں آپ نے ارشاد فرمائیں وہ بالکل ہارجیت کی باتیں تھیں اس میں حق جوئی و حق طلبی اور خشیت اللہ نام کو نہ تھا آپ نے درابھی غور نہیں کیا کہ یہ شخص فی الواقع ماسور و مرسل من اللہ ہے یا نہیں اس دنیوی اہل دنیا نے تو ایک جم غفیر انبیاء و مرسلین کو اسی طرح رد کر دیا ہے جیسا آپ۔

وقت آپ نے۔ اگر فی الواقع یہ شخص مامور من اللہ تھا تب جتنے لوگوں نے اس سے کائنات کی بچے لئے جہم کی رہ صاف کی۔ اے یا ذی اللہ من ذالک۔ میرے اس آخری کلام کا کوئی جواب مولوی عبد الباری صاحب نے نہ دیا۔

المختصر اس قدر گفتگو کے بعد حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کے نواسے آگئے۔ خاکساران کی احوال پر سی میں مشغول ہو گیا اور اس طرح سلسلہ گفتگو قطع ہو گیا۔ قحطی نہ رہے کہ مولوی عبد الباری صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی تو اس وقت ایک نوجوان عبد الشکور نام کسی کسی وقت بول اٹھا تھا۔ لیکن میں نے اس کو باقاعدہ خطاب کوئی جواب نہ دیا۔

انغرض وہاں سے رخصت ہو کر میں نے مولوی عین القضاۃ صاحب سے ملنے کی کوشش کی۔ لیکن چہ نکہ وہ دن یوم جمعہ تھا اس وجہ سے قبل نماز جمعہ ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اور بعد نماز جمعہ اگرچہ ملاقات ہوئی۔ لیکن وہ ان باتوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور گریز کرتے رہے۔ آخر میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ اور اسی دن لکھنؤ سے روانہ ہو کر شام کو شہر بھمپور پہنچا جہاں جناب سید مختار احمد صاحب احمدی کے مکان پر قیام ہو۔ وہ نہایت خاطر و تواضع کے ساتھ پیش آئے اور باصرار تمام ایک دن اپنے پاس مقیم رکھا سید مختار احمد صاحب کے پاس جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جناب مفتی محمد صادق صاحب نے خاکسار کو ایک مرتبہ لکھا تھا کہ مگر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے لہذا منکور ہو تو پیسے شہر بھمپور کے سید مختار احمد صاحب سے ان کا حال دریافت کر لیتا۔ پس ان سے مولوی احمد رضا خاں صاحب کے حالات جس قدر بھی ہو سکا۔ دریافت کر کے شہر بھمپور سے بریلی کی طرف روانہ ہوا۔ اور شام کو وہاں پہنچ کر سرائے میں جاؤا۔ دوسرے دن کمرٹی مولوی احمد علی صاحب کو ہمراہ لے کر

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی ملاقات کو چل پڑا۔

مکالمہ بامولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی

مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مکان پر معلوم ہوا کہ وہ سیر کو باہر تشریف لے گئے ہیں لیکن بہت جلد واپس آجائیں گے سرکیف وہ تھوڑی ہی دیر میں واپس آگئے اور نیچے سلام و راحواں پڑی کے بعد وہ خود ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور میرے بیٹھنے کے لئے ایک دور لسی منگادی۔ پھر دھردھر کی باتیں ہونے لگیں۔ دیوبندیوں سے جو ان کی سخت مخالفت تھی۔ اس خصوص میں بھی کچھ باتیں ہونئیں اس کے بعد میں نے ان سے دریافت کیا کہ مرزا صاحب قادیانی کی نسبت جناب کی کیا تحقیق ہے ورنہ ان کو آپ کیا سمجھتے ہیں اس پر انہوں نے مندرجہ ذیل لمبی تمہید شروع کر دی۔

تمہید مولوی احمد رضا خاں صاحب

ہمارے مخالف جو مدعی دین اسلام ہیں تین قسم کے ہیں۔ اول وہ جو ضروریات دین کے منکر ہیں۔ ہم ان کے حالات کو نہیں دیکھتے بلکہ اس کو دُور اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کا سربراہوں سے کرتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جن کو ہم گمراہ جانتے ہیں لیکن دائرۂ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے۔ جیسے ”فرق باطلہ رافضی خارجی معتزل و غیر ہم“ تیسرے وہ ہیں کہ نہ ہم ان کو گمراہ جانتے ہیں اور نہ وہ ہم کو گمراہ جانتے ہیں۔ بلکہ سب آپس میں بھائی

بھائی ہیں جیسے حنفی شافعی مائیں حنبلی مرزا صاحب قادری کو ہم پہلے قسم مخالفین میں سے سمجھتے ہیں اس لئے ہم ان کے حالات والہامات کو بالکل نہیں دیکھتے۔ میں نے کہا کہ آپ کی اس تمہید میں کلام کرے کی گنجائش ہے لیکن میں ان میں کلام کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ان سے میری کوئی غرض متعلق نہیں ہے اس وقت میں آپ سے صرف یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ جو مرزا صاحب کو قسم اول مخالفین میں سے شمار کرتے ہیں اور ان کو دائرۂ اسلام سے بالکل خارج سمجھتے ہیں تو مرزا صاحب میں کون سی ایسی بات پاتے ہیں۔ جس سے آپ ان کو بالکل دائرۂ اسلام سے خارج کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ دور جانے کی ضرورت نہیں فقط ان کے دعویٰ نبوت ہی کو لے لیجئے۔ کہ کس بڑی کے ساتھ آپے تئیں نبی کہتے ہیں اور ان کے اتباع بے تک و ہی گیت گارہے ہیں تمام امت محمدیہ کے نزدیک بعد آنحضرت مسلم کے دعویٰ نبوت کھرہے جو قرآن وحدیث و اجماع امت سے ثابت ہے۔ میں نے کہا کہ مرزا صاحب نے جس نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ غیر تشریحی ظنی ہے جو میرے خیال میں جاری و جائز ہے اگر آپ کہتے ہیں کہ گنجائش نہیں تو آپ دلائل دکھائیں اور سمجھائیں میں ضرور مان لوں گا۔ انہوں نے کہا کہ تمام دلائل شریعہ مطلق و قطع ہوئے ہیں۔ آپ ان سے نبوت غیر تشریحی اور ظنی کا شہدہ کہاں سے نکالتے ہیں میں نے کہا کہ احشائے کاموقع خود آپ کے دلائل ہی دیتے ہیں۔ میں بلاوجہ وجہ ایسا نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ کے قوی ترین دلائل میں سے قرآن کریم کے احادیث صحیحہ السببیں ہیں ان میں تو تنوع نبوت کا ذکر ہی نہیں آپ ہوگے زبردستی ہی ان سے آنحضرت مسلم کے بعد امتناع نبوت مطلقہ کے معنی نکالتے ہیں در اس ترکیب کی کوئی نظیر بھی کلام مستند عرب سے نہیں دکھا سکتے۔ پھر حدیث شریف سے جو واضح ترین دلیل آپ کے

ہاتھ میں ہے ”لا یہی بعدی“ ہے اور اس سے آپ لوگ زبردستی نفی استغراقی کے سینے نکالتے ہیں حالانکہ حدیثوں میں اس قسم کی ترکیبیں کثرت سے واقع ہیں۔ اور ہر جگہ نفی استغراقی کے معنی میں دیتیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ لَا اِنْسَانَ لَیْسَ لَا مَکْفَؤْلَہٗ وَلَا دَیْسَ لَیْسَ لَہٗ ہَدَیْہٖ یعنی جس کی امانت نہیں اس کا ایمان بھی نہیں ہے اور جس کا عہد و پیمان و قول و قرار نہیں ہے اس کا کوئی دین حق بھی نہیں۔ انتہائی

اس حدیث میں نفی استغراقی کے سینے ہرگز نہیں ہیں۔ اس لئے محققین شراح حدیث بھی اس میں نفی استغراقی کے معنی نہیں کرتے بلکہ نفی کمال کے سینے کرتے ہیں اور یہ معنی حدیث ”لا یہی بعدی“ میں کرنے سے بخوبی گنجائش احشاء نبوت غیر تشریعی و عقلی کی نکل آتی ہے۔ کمالاً بحفی اور شیخ اکبر فتوحات سید میں اور امام شعرانی ابو قتیبہ و ابوالہریرہ میں اور شیخ محمد طاہر مجمع البحار میں اور طاعلی قادری موضوعات کبیر میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غیر تشریعی نبی کا آنا حائث السبب کے منافی نہیں ہے یہ آپ کے اجماع جعلی کو بھی توڑتا ہے۔ میری یہ تقریر سن کر وہ بدحواس سے ہو گئے اور میری تردید میں اور تو کچھ نہ کہہ سکے۔ تاہم یہی کہنے لگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امتناع نبوت کے دلائل کو کیا آپ تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ استغفر اللہ۔ ہرگز نہیں دلائل قرآن و حدیث کو تحقیر کی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ ہر ایک کے منہ کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ثابت کریں۔ کہ میرا کونسا فقرہ تحقیر پر داں ہے۔ العیاذ باللہ۔ میرے خیال میں جو کوئی ایسا کرے وہ میرے نزدیک قابل اخرج از ذرہ اسد ہے تب انہوں نے کہا کہ اگر آپ دلائل قرآن و حدیث کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس میں پیچیدگیاں نہیں پیدا کرتے تو

میں آپ کو صل بات بتائے دیتا ہوں۔ میں نے کہا بہت خوب بھی میرا عین مقصد ہے آپ واضح طور پر فرمادیں پس مولوی صاحب نے فرمایا۔ لفظ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّسَالِكُهُ وَلَكِنْ رَّسُولُ اللَّهِ وَحَاتَمُ السَّبِّتِينَ یعنی نہیں ہے محمد باپ کسی کے مرادوں سے تمہارے لیکن رسول اللہ کا ہے اور مرعوبوں کے۔ انتہی

اس آیت شریفہ میں جو لفظ حاتم السبیتین ہے یہ لفظ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے نص اشباع پر عموماً قاطع ہے۔ کوئی نیا کسی قسم کا بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں آسکتا۔ اور اگر کوئی کسی قسم کی جوت کا دعویٰ کرے وہ بے شک کافر ہے۔ ورواۃ اسد م سے بالکل خارج ہے تب میں نے کہا کہ کیا اب بعد ابھی کچھ عرض کر سکتا ہے۔ فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ آیت شریفہ مذکورہ بالا بی بی زینب کے نکاح کے بارے میں ہے انہوں نے کہا ہاں اس میں کیا شک۔ میں نے کہا کہ اس آیت شریفہ میں جو کلمہ لکن حرف استدراک واقع ہوا ہے۔ اس کی وجہ استدراک کیا ہے بیان فرمادیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اچھ میں پھر بتاؤں گا۔ ابھی الفاظ خاتم بنین پر غور کیجئے۔ میں نے کہا بہت اچھ فرمائیے کہ جملہ خاتم بنین مقام مدح میں واقع ہے یا مقام ذم میں انہوں نے کہا کہ مقام مدح میں۔ تب میں نے کہا کہ اب لفظ خاتم السبیتین کے معنی بیان فرمادیں۔ بظاہر اس جملہ میں دو ہی لفظ ہیں خاتم اور سبیتین اور ظاہر ہے کہ سبیتین جمع ہے لفظ نبی کا۔ اب باقی رہا لفظ خاتم کے معنی۔ پس فرمائیے اس لفظ کے کیا معنی ہیں انہوں نے کہا کہ اس کے معنی ہیں صر۔ میں نے کہا بہت خوب۔ پس خاتم السبیتین کے معنی ہوئے مرعوبوں کی۔ اب فرمائیے اس سے کیا مراد ہے انہوں نے کہا کہ سب

غیروں کے بعد آخری نبی۔ میں نے کہا۔ کہ آخری کس لفظ کے معنی ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ جب ہم فتویٰ وغیرہ لکھتے ہیں تو سب سے آخر میں ہر کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ سبحان اللہ کیا آپ کا فعل بھی دلیل ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ فقہ میں کیا سب ہی تو ایسا کرتے ہیں یہ تو ایک عام دستور کی بات ہے میں نے کہا کہ سب کہاں ایسا کرتے ہیں۔ ایک میں ہوں میں تو ایسا نہیں کرتا۔ میری عادت ہے کہ دہنے طرف حاشیہ پر سر کر دیتا ہوں اور ایسا ہی اور بھی بہت سے لوگ ہیں ماسوا اس کے بادشاہی عمداری سے لے کر انگریزی عملداری تک یکساں دستور ہے کہ سرکاری کاغذوں پر سب سے اوپر سر کرتے ہیں۔ تو کیا فقط آپ کی عادت اور فعل کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لفظ حائِم لَبَّيْس نازل فرمایا ہے اس کا جواب تو وہ کچھ نہ دے سکے۔ درجب دیکھا کہ یہ بحث بہت مشکل ہے تب جھٹ حدیث لابی بعدی کی طرف رجوع کیا میں نے اس کے مقابل میں حدیث کُوْ عَاثِرِ الْاَرِبْنِہُ كَانَ صِدْقًا سَیِّئًا پیش کر دی۔ یعنی آنحضرت مسلم نے فرمایا۔ کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو ابلتہ وہ نبی ہوتا۔ انتہی

انہوں نے کہا کہ کلمہ سو کے تحت کا وقوع ضروری نہیں ہے میں نے کہا کہ نہ ہو ممکن الوقوع تو ہے پس اس سے بھی میرا مطلب حاصل ہے کیونکہ اس قدر تو ثابت ہو کہ آنحضرت مسلم کے بعد نبی کا آنا ممکن ہے و ہذا ہو مرا می

المختصر مولوی احمد رضا خاں صاحب سے گفتگو کرتے کرتے بہت دیر ہو گئی تھی۔ اور بار بار بج چکے تھے۔ اثناء گفتگو میں بعض اوقات مولوی صاحب کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا۔ سن کا حال دیکھ کر مولوی امداد علی جو میرے ساتھ تھے گفتگو ختم

کرنے کے لئے مجھ سے اشارہ پر اشارہ کرتے جاتے تھے چوتھ وقت بھی بہت صرف ہو چکا تھا اس وجہ سے ناچار میں نے گفتگو ختم کر دی اور مولوی احمد رضا صاحب کے بعض رسالہ جات لے کر وہاں سے رخصت ہوا۔ اور یہ فقرہ میری زبان پر تھا۔ شعر خمی عالم ہاں معصوم شد۔ اور یہ بحث یہاں ختم ہو گئی۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ساتھ گفتگو کے وقت ان کے مدرسہ کے مدرسین بھی ہماری گفتگو سننے کے لئے آگئے تھے۔ اور خاموش بیٹھ کر سنتے رہے لیکن کسی نے دم تک نہ مارا۔ اور میں بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ ہماری گفتگو کے تمام ہوتے ہی سب دگ انھہ کراد ہر ادھر چلے گئے۔

میں بھی وہاں سے رخصت ہو کر اپنے جائے قیوم یعنی سرائے کو واپس آیا اور کھانے سے فارغ ہو کر مولوی مداد علی دوغیر ہراہوں کو ساتھ لے کر امرودہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور شام کو جناب مولوی سید محمد احسن صاحب کے مکان پر جہ پہنچا انہوں نے بڑی خاطر و تواضع کے ساتھ ہمیں دو دن تک ٹھہرا رکھا۔ امرودہ جانے کی غرض یہ تھی کہ مولوی محمد احسن صاحب کے بعض رسالہ جات میں اکثر حرا۔ جات کے بارہ میں مجھے کچھ شبہات تھے۔ اور میں ان کی تصحیح کرنا چاہتا تھا لیکن بوجہ کیر سنی اور خلافت کے مولوی سید محمد احسن صاحب کے جس دوست نہ تھے۔ اس لئے عبارات مطلوبہ کتب منقولہ سے نکال نہ سکے۔ اور نکالتے کیسے ان کی بصارت بھی جواب دے سکی تھی۔ اور تمام قرائے حسانی ضعیف ہو گئے تھے جب کچھ لکھنے کی ضرورت ہوتی تو دزدانی جاتے جاتے اور ان کے فرزند محمد یعقوب صاحب لکھتے جاتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان کا ایک ہرانشی بھی لکھتا تھا جس کے بارہ میں خود ہی مذاق کما کرتے تھے کہ بڑھا گئے ہر اہجائے۔ تیسرے دن ہم امرودہ سے دہلی کی طرف روانہ ہو گئے

وہاں پہنچ کر جناب میر قاسم علی صاحب کے گھر جا اترے۔ اور رات کو دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ صبح کے وقت ہم مطیع مجتہدی دیکھنے کے لئے گئے اور وہاں سے جناب مولوی عبدالحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی کی ملاقات کو ان کے مکان کی طرف چل پڑے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ مکان پر تحریف نہیں رکھتے بلکہ خواجہ قطب الدین کے مزار کی زیارت کو گئے ہیں۔ اور گھنٹے کے بعد وہاں سے واپس آئیں گے۔ پس ہم نے دل میں فیصلہ کیا کہ اتنی دیر تک یہاں بیٹھ کر کیا کریں گے۔ اس عرصہ میں حکیم اجمل خان صاحب کے مطب کی سیر بھی کریں۔ وہاں جا کر دیکھا کہ زن و مرد کے ہجوم سے گویا وہاں بازار لگا ہوا ہے یہ نظارہ ہم دیر تک دیکھتے رہے۔ اور وہاں بیٹھے بیٹھے دوپہر کا وقت ہو گیا۔ چونکہ یہ وقت نامناسب تھا اس لئے مولوی عبدالحق صاحب کے مکان پر اس وقت نہ گئے اور سیدھے اپنی اقامت گاہ پر چلے آئے۔ بعد نماز ظہر مولوی عبدالحق صاحب سے ملنے کے لئے میں پھر چلا۔

مقامہ بامووی عبدالحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی

اور وہاں جا کر دیکھا کہ مووی صاحب اپنے دیوان خانہ میں تشریف فرما ہیں۔ اور ان کے پاس اور بھی چند آدمی موجود ہیں۔ میں بھی سیدھا ان کی نشست گاہ میں چلا گیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا تحفہ پیش کیا انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا اور عزاز کے ساتھ بٹھایا۔ احوال پرسی کی باتوں کے بعد اوجھڑا دھڑکی باتیں ہونے لگیں اسی عرصہ میں حاضرین میں سے ایک شخص نے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ حضرت پیر کو جدہ کرنا اور پیر کا جدہ کی مصلحت نہ کرنا

شرعاً کیسا ہے مولوی صاحب نے جواب دیا کہ کفر ہے اور بڑا کفر ہے اس کے بعد میں نے بھی کچھ سوالات شروع کئے اور کہا کہ جناب دلائل و ظہور مہدی و نزول مسیح کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ کہ مختلف احوال میں ظہور مہدی اور نزول مسیح کی خبریں آئی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ حدیثیں اخبارِ حادثہ سے ہیں اس لئے ان پر مجھے یقین کامل نہیں ہے ہاں ظنی طور پر ہم ان دونوں کی آمد کے قائل ہیں اگر آئے تو جہاں اور اگر نہ آئے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ ہمیں مہدی و مسیح کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ ہم تو دینِ حق و شریعتِ غرّاء لے کر بیٹھے ہیں اور قرآن کریم میں اَسْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ یعنی ا کمال کر دیا میں نے دوسرے دین تمہارا لگایا ہے پھر ہمیں مہدی و مسیح کی ضرورت ہے اگر کوئی مہدی سے یا مسیح سے۔ بننے دیجئے۔ ہمیں ان کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر مسیح آوے گا تو دجال کو ہناک کرنے کے لئے آوے گا۔ دین و شریعت سے اس کو کوئی تعلق نہ ہو گا۔ ان کی یہ باتیں سن کر میں نے دل میں کہا کہ یہ تو عجیب ہی قسم کے آدمی ہیں بہر حال ان کو کسی طرح لاجواب کرنا چاہئے۔ آخر شمس کسی قدر فکر کے بعد میں نے کہا۔ جناب ہندو آج ہی مسیح کو ایک مرتبہ پسے بھی جناب کے دولت کدہ پر حاضر ہوا تھا لیکن اس وقت معلوم ہوا تھا کہ آپ خواجہ قطب الدین صاحب کے مزار کی طرف تشریف لے گئے تھے مولوی صاحب نے فرمایا جی ہاں۔ میں قطب صاحب کے مزار پر ہی گیا تھا۔ میں نے کہا کہ بھلا یہ تو فرمائیں کہ آپ وہاں کیوں گئے تھے۔ آپ تو دہ مخص ہیں کہ مسیح و مہدی کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔ پھر خواجہ قطب الدین کے آپ کیوں محتاج ہوئے حالانکہ خواجہ قطب الدین آپ کے فتویٰ کے مطابق کافر ہیں۔ میں نے تو جناب کی مجلس میں آکر ہی یہ فتویٰ سنا۔ کہ مریدِ کابیر کو مسجد

کرنا اور سچ کا مرید کے سجدہ کو قبول کر لینا کفر ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ خواجہ قطب الدین اپنے مریدوں کا سجدہ قبول کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے نظام الدینؒ اور یاراء کے موقوفات میں دیکھ ہے کہ بعض مرید آپ کی چوکھٹ پر سر رکھ دیتے تھے تو حاضرین میں سے ایک شخص نے حضرت نظام الدینؒ سے دریافت کیا کہ یا حضرت کیا آپ اس کو جائز سمجھتے ہیں کہ لوگ ایسا کریں۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں نے ہار ہا چاہا کہ اس کو موقوف کرادوں لیکن چونکہ میں نے حضرت صاحب یعنی شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے دربار میں دیکھا ہے اس لئے ممانعت کی جرات نہیں کرتا۔ اسی طرح شیخ مودع کے موقوفات میں بھی لکھا ہے کہ مرید لوگ آکر چوکھٹ پر سر رکھ دیتے تھے تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا۔ یا حضرت کیا آپ اس کو جائز قرار دیتے ہیں کہ لوگ ایسا کریں۔ تو شیخ گنج شکرؒ نے بھی اسی طرح فرمایا کہ میں نے ہار ہا چاہا کہ اس کو موقوف کرادوں لیکن چونکہ میں نے حضرت صاحب ”یعنی خواجہ قطب الدین“ بختیار کاکی کے دربار میں دیکھا ہے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں اس لئے ممانعت کی جرات نہیں کرتا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ خواجہ قطب الدینؒ سجدہ قبول فرماتے تھے۔ اور آپ کے فتویٰ مذکور صدر کے مطابق یہ کافر تھے۔ اور شیخ و سدی کی فضیلت و آمد کی خبر احادیث صحیح میں آئی ہے در خراجہ قطب الدین کا کوئی ذکر احادیث صحیح میں نہیں ہے پس آپ کا شیخ و سدی کا محتاج نہ ہونا اور خراجہ قطب الدین کے استخوان بوسیدہ کا محتاج ہونا باعجب ہے کہ لَا يَخْشَىٰ مِيرِي تَقَرُّرِمْ كَرْمَلُوْیْ عِبْدَالْحَقِّ مَصْبِ مَسْمُوتِ سے ہو گئے بالآخر یہی کہتے بنی کہ میں برکت حاصل کرنے کے لئے گیا تھا۔ میں نے کہا کہ کیا آپ کے اُسْتُخْتِمْ كُمْ دِيْنَكُمْ میں یعنی کامل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا برکت نہیں

ہے جو اپنے خود قرار داد کافر کے استخوان بوسیدہ سے برکت حاصل کرنے کے لئے گئے تھے۔ اس پر مولوی صاحب مست علی قتل ہوئے۔ اور سر ہٹا لیا۔ پھر میں نے کہا کہ جناب نے ایک بات یہ بھی تو فرمائی تھی۔ کہ مسیح اگر آئے گا تو وہ جہل کو ہلاک کرنے کے لئے آئے گا دین و شریعت سے اس کو کچھ تعلق نہ ہوگا۔ جناب نے تو مسیح بخاری ضرور دیکھی ہوگی اس میں تو نزول مسیح کی یہ حدیث لکھی ہے کہ **كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ اَبْنُ مَرْيَمَ فَيَنْكُحُكُمْ اَوْ يَمْسُكُكُمْ مِنْكُمْ** اب فرمائیے کہ لفظ مام کے کیا معنی ہیں؟ اگر آپ فرمادیں کہ امام کہتے ہیں یہ بڑے جری پہلوان کو جو وہاں جیسے عجیب، غلط کو ہلاک کر سکے۔ تو فرمائیے آپ کے امام ابو حنیفہ صاحب میں یہ صفت تھی یا نہیں۔ مگر تھی تو ثابت کیجئے ورنہ ان کو آپ لوگ مام کیس کہتے ہیں اور علاوہ اس کے مسیح سے تو آپ کے خیال میں وہی مسیح اسرائیلی مراد ہیں جو بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر تھے۔ یہ بزرگ رسول تو بہت ہی ضعیف و رکزور آدمی تھے کہ فقط یہودیوں کے حملہ کی تاب نہ لاسکے اور تقریباً دو ہزار برس سے آسمان میں پناہ گزین ہیں کہ اس اثناء میں کبھی جراثیم نہ ہوئی۔ کہ تھوڑی دیر کے لئے، ایک مرتبہ پھر اس زمین پر آدمی و درہن وقت تو تکلم آیت کریمہ **وَمَنْ عَصَا عَنْكَ فَهِيَ اِيْحَلَقُ** کے کھڑے ہو چکے ہوں گے ایک ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ نہ معلوم کس مصلحت سے دنیا میں بھیجے گا۔ اور فعل **اِيْحَلَقُ** لا یحلو اعرس لحکمۃ مثل مشہور کے خلاف ہو گا آئمہ اول میں، ان سے کیا کارگزار کی گئی تھی کہ پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ ان کو بھیجے گا۔ ہاں اگر نزول رستم کی کوئی روایت آپ مجھ کو نکال کر دکھ سکتے تو ابستہ میں مست ہی ممنون ہوتا۔ کیونکہ فردوسی نے شہنامہ میں اس کی کارگزار کی مست لکھی ہے۔ یہ سن کر مولوی عبدالحق صاحب ہنسے گئے۔

اور ان کے ساتھ بیٹھے اور بے وقوف بیٹھے تھے سب کے سب بے ہنسا شروع کیا۔ اور بات کی تہ تک ذرا بھی نہ پہنچے۔ بات یہاں تک پہنچی تھی کہ مولوی عبدالحق صاحب اپنے خادم کو زور سے پکارنے لگے کہ چائے لاؤ چائے لاؤ۔ مولوی صاحب کو چائے پاؤ۔ لیکن میں نے چائے نہیں پی۔ اور علم کیا کہ میرے لئے چائے مضر ہے۔

المختصر سی، میری گفتگو مولوی عبدالحق صاحب سے ختم ہوئی اور وہاں سے اٹھ کر ہم اپنی اقامت گاہ میں چلے آئے۔ اور دوسرے دن انتخاب کی طرف روانہ ہو گئے۔

پس اسے حق کے طالبو علمائے دینار کا حال دیکھو کہ اپنی عزت و اعتبار قائم رکھنے کے لئے کس قدر احتیاط سے کام لیتے ہیں اور خدا کا خوف بالکل دل میں نہیں لاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ماسور و مرسل کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ عوام کو محض رکھنے کے لئے حق بات کو باادقات سمجھ کر بھی نہیں سمجھتے۔ اور اس تصور کے سبب اللہ تعالیٰ نے نور معرفت ان سے سلب کر دیا ہے۔ اس لئے اسے شاعت بھی نہیں کر سکتے۔ یہ مولانا شبلی نعمانی اور مفتی عبداللہ ٹوکی اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور مولانا عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی ہندوستان میں چوٹی کے علماء شمار کئے جاتے تھے جب انہیں کاپہ حال تھا تو انہی پر اوروں کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔ اکثر خاص و عام مسلمان انہی کے انکار سے دھوکا کھ کر مسلمہ حق احمدیہ کو قبول نہیں کرتے۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان علماء کے اندر بہت سا علم ہے یہ حضرات کیا منط کہتے ہیں حالانکہ نہ رونا ان کا خالی ہوتا ہے جیسا کہ ادب نہ کوڑھوا۔ فاعنبرو یا ولی الابصار

الغرض ولی سے روانہ ہو کر امرتسر پہنچا وہاں مولوی ثناء اللہ صاحب سے

ملاقات کرنی تھی۔ کچھ گفتگو کرنے کے شوق سے نہیں۔ کیونکہ پیشتر سے اس سے خط و کتابت تھی۔ اور اس کی بہت سی تالیفات حضرت صاحب کے خلاف میں منگا کر دیکھ چکا تھا۔ اور اس کا اخبار اہلحدیث بھی کبھی کبھی منگاتا تھا غرض اس کی شرارت کی کیفیت پیسے ہی سے مجھ پر ظاہر ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ملاقات کرنا دو غرض سے تھا ایک تو اس کی صورت مثل دیکھنا تھا دوسرے میرا قاصد علی صاحب نے دہلی سے ایک فرمائش یہ کی تھی کہ اگر مولوی ثناء اللہ سے آپ کی ملاقات ہو تو ان سے دریافت فرمائیے گا۔ کہ میرا اشتہار کا جو ب کیوں نہیں بیٹا۔ بات یہ ہے کہ میرا صاحب نے ایک اشتہار چھپوایا تھا۔ کہ اگر مولوی ثناء اللہ اس اشتہار کے مطابق حضرت صاحب کی تکذیب کرے تو پچیس روپے بھورا نعام کے میں اس کو دوں گا۔ لیکن مولوی ثناء اللہ اس کو قبول نہیں کرتا تھا۔ میں نے جب مولوی ثناء اللہ سے پوچھا کہ آپ تو تکذیب مرزا صاحب کے ہیں پھر میرا صاحب کے اشتہار کے مطابق کیوں تکذیب نہیں کرتے اور انعام موعود نہیں لیتے اس نے جواب دیا کہ چوں تو میں دن رات تکذیب کرتا رہتا ہوں اس میں مجھے عذر کیا ہے۔ لیکن یہ لوگ اس میں بیچ و در بیچ لگاتے ہیں اس لئے میں قبول نہیں کرتا۔ مولوی ثناء اللہ پر اس قسم کے مطالبات اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ وہ سلسلہ احمدیہ سے اس قدر واقف ہے کہ ہر احمدی بھی اس قدر واقف نہیں ہے۔ فقط مذہب اور دنیا طلبی اور بے ایمانی کی وجہ سے سلسلہ احمدیہ کو قبول نہیں کرتا۔ اس وجہ سے اس پر اس طرح سوال کیا جاتا ہے کہ مباحثہ کے بیچ میں گرے مگر وہ بھی اس قدر شریر ہے کہ اس کو تاثر جاتا ہے اور مباحثہ کے بیچ میں آنے سے اپنی جان بچا کر چلتا ہے ہمیشہ سے اس کا یہی حال ہے لیکن جب اس سے میری ملاقات ہوئی۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔

نہ معلوم اس میں کیا سڑ ہے۔ واللہ اعلم۔

ہر کیف اس نے مجھے کچھ ناشتہ کرنے کی کوشش کی۔ نیکس میں انکار کرتا رہا۔ پھر کہا کہ کچھ نواکات حاضر کروں اس میں میں نے یہ عذر کیا کہ آخر نواکات میں سے آپ صیب و ناشپاتی ہی لے دیں گے اور اس سے میرا پی بھرا ہوا ہے کیونکہ ریل گاڑی پر بیٹھے بیٹھے اسی کا شغل رکھتا ہوں آخر کچھ دودھ شکر ملا کر لایا تو اس سے کچھ مضر کرنے کی کوئی معقول بات نہ پائی ناچار تھوڑا سا پی پی۔ اور باقی مولوی امداد علی کو جو میرے ساتھ تھے دے دیا۔

الختصر اسی دن امرتسر سے ہٹا۔ پہنچا۔ دو سرائے میں اترا۔ دوسرے دن صبح کو مولوی محمد حسین ڈالوی کی ملاقات کو گیا اس کے ساتھ بھی گنگو کرنے کے شوق سے نہیں گیا کیونکہ اس کے ساتھ بھی بیشتر سے میری خط و کتابت تھی۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جو خط میں نے اس کو لکھا تھا اس کا مضمون یہ تھا کہ مرزا صاحب قادری کی شہرت یہاں تک بھی پہنچی ہے مگر ہم لوگ بہت دور رہتے ہیں اور آپ تو ماشاء اللہ عالم بھی ہیں زبردست اور قرب و جو رہیں بھی رہتے ہیں اور ہمیشہ مرزا صاحب سے روبرو قدر بھی ہوتی رہتی ہے۔ پھر آپ سے زیادہ واقفیت مرزا صاحب کے حالی سے اور کس کو ہو سکتی ہے۔

پس اسی قدر ٹوشا مہ اند کلام پر مولوی محمد حسین بالکل اچھل پڑے اور نہایت شہود کے ساتھ لکھا کہ میرزا صاحب قادری کی تردید جس قدر میں نے کی تھی پنجاب و ہندوستان کے علماء میں سے کسی نے نہیں کی۔ سات برس تک میں یہی کام کرتا رہا۔ چنانچہ سات ہندس اشاعتہ کتبہ کی میرے پاس موجود ہیں اور قیمت ہر ایک کی تین روپیہ ہے اگر کیفیت حال دریافت کرنا منظور ہو تو آپ ان سب کو منگا کر دیکھ سکتے ہیں۔

میں نے جو اب الجواب اس طرح لکھ کہ جناب کا عنایت نامہ پہنچا اور خاکسار نہایت محکوظ ہوا۔ لیکن آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ سات برس تک آپ نے مرزا صاحب کے ساتھ رد و قدح کی ہے۔ اس سے مجھ کو بہت ہی تعجب ہوا۔ کیونکہ مرزا صاحب تو کوئی مولانا مولوی نہیں ہیں اور نہ کسی نانی گرای استاد سے تصور نے علم حاصل کیا۔ ایک ایسے شخص سے آپ نے سات برس تک نہ معلوم کیا کیا۔ ہم لوگوں کا تو قاعدہ ہے کہ کوئی بے جا سر نشی کرتا ہے تو بس ایک دو برس کے میں اس کو بند کر دیتے ہیں۔ اور وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ پھر اور سر نہیں اٹھ سکتا۔ آپ اتنے بڑے فاضل بے بدلی ہو کر مرزا صاحب جیسے شخص سے اس قدر مدت دراز تک کیا کرتے رہے۔ میرے خیال میں یہ بالکل تضییع اوقات معلوم ہوتی ہے آپ لکھتے ہیں کہ سات جہدیں ”شاعتہ السنہ“ کی آپ کے پاس موجود ہیں اور قیمت اکیس روپیہ ہے نہ میں اس قدر روپیہ دے سکتا ہوں اور نہ مجھے اس قدر فرست ہے کہ سات دفتروں کو پڑھوں۔ میں فقط اس قدر چاہتا ہوں کہ آپ بتائیں اس سات برس کے عرصہ میں آپ نے کتنے مسائل میں مرزا صاحب کو شکست دی۔ اگر ان میں سے فقط تین مسئلے بطور نمونہ کے آپ خاکسار کو بتائیں جس میں آپ نے بین بطور پر ہجت کی راہ سے مرزا صاحب کو مغلوب کیا۔ اور ہریت دی ہو تب خاکسار بہت ممنون احسان ہو گا اور اسی سے میں کیفیت حال سمجھ لوں گا اور سات دفتروں کے اٹھنے کی حاجت نہ ہوگی۔ میرے اس خط کا جواب سووی محمد حسین صاحب نے باوجود بار بار تقاضا کے نہ دیا۔ اسی وقت سے میں نے ان کی حقیقت سمجھ لی تھی۔

مولوی محمد حسین کے پاس میرا جانا فقط وہ مطلب کے لئے تھا۔ یک تو یہ مطلب تھا کہ فتویٰ تکفیر جو حضرت صاحب پر انہوں نے لکھا تھا۔ اور بہت سے

تکثیر بار مولویوں کی مہربانی اس پر ثبت کرنا کہ اسے چھوایا تھا۔ میں کا ایک نسخہ مجھے مطلوب تھا اور دوسرا مطلب یہ تھا کہ حضرت صاحب کی کتاب براہین احمدیہ پر نمونوں نے جو ریویو اس وقت لکھا تھا۔ جبکہ وہ حضرت صاحب کے مطبع تھے اس کا بھی ایک نسخہ مجھے مل جائے لیکن مولوی صاحب ہالوی نے یہ طر کیا کہ اس دوڑوں کا فقط ایک ایک نسخہ ان کے پاس ہے زیادہ نہیں ہے اس لئے پڑھ کر پھر واپس کرنا ہو گا۔ اس کے بعد سویاں اور دودھ چینی مجھے اور مولوی اعداد علی کو جو میرے ساتھ تھے کھلایا اور کہنے لگے کہ تو رسم پاؤ پکاتا ہے ضرور کھانا کھا کر جائے گا۔ میں نے کہا کہ جو کچھ آپ نے کھلایا یہی بہت ہے ہمیں قادیان جانا ہے دیر نہیں کر سکتے۔ انہوں نے میرے قادیان نہ جانے کے لئے بہت کچھ حیدر انگیز باتیں کیں۔ مگر میں نے ایک بھی نہ مانا اور کہا کہ جب اتنی دور آگئے ہیں تو بغیر قادیان دیکھے نہ جائیں گے۔

ایک بات نمونوں نے یہ بھی کہی کہ مرزا جو کچھ کہتا ہے تو وہ بھی نہ رہا۔ پھر آپ قادیان جا کر کیا کریں گے۔ میں نے کہا کہ جہاں آگ ہوئی ہے آگ کے بجھ جانے پر بھی اس کے آثار باقی رہ جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آگ تھی۔

المختصر بی کو شش کے بعد مولوی محمد حسین سے رخصت ہوا۔ اور چلتے وقت اس سے کئی رسالے عاریتاً لے کر آیا اور کہہ دیا کہ ابھی تو میں قادیان جاتا ہوں سوچتے وقت آپ کی کتابیں انشاء اللہ تعالیٰ دے جاؤں گا۔ وہاں سے اپنی فرد گاہ میں آکر کھانا کھایا۔ پھر قادیان کی طرف روانہ ہوا اور مصر کے وقت وہاں پہنچ گیا۔ مصر کی نماز کے قبل ہی خلیفہ اول حضرت مولانا نور الدین صاحب سے ملاقات کی۔ اور دیکھا کہ وہ صحیح بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں۔

پہن اس وقت کچھ مختصر سی باتیں ہوئیں اسنے میں عصر کی نماز کے لئے اذان ہوئی۔ اور مسجد مبارک میں نماز عصر پڑھی پھر صحن خانہ میں جہاں جگہ ملی تھی۔ وہاں اپنے ویزہراہیوں کے لئے بسترہ وغیرہ ٹھیک کیا۔

انغرض حضرت مولانا نور الدین صاحب سے پندرہ دن تک گفتگو ہوئی رہی۔ مگر اس طرح نہیں جس طرح غیر حمی مخالف سوویوں سے گفتگو ہوئی تھی۔ بلکہ میں جن شبہات کو نوٹ کر کے لے گیا تھا۔ انہیں باتوں کو پیش کر کے جواب حاصل کیا۔ جس سے مجھے اطمینان کلی حاصل ہو گیا۔ اور قادیان کے باشندوں کے حالات پر میں نے بھی بہت ہی غور و تدبر سے نگاہ کی بالآخر بفصل الہی اس سلسلہ کی صداقت پر مجھے شرح صدر حاصل ہو گیا اور پھر کچھ تردد باقی نہ رہا۔ پس مزید توقف میں نے مناسب نہ جانا۔ اور ایک دن بعد نماز جمعہ میں نے مع اپنے ہمراہیوں کے حضرت خلیفہ اول کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور شکر الہی بہا لیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هٰذَا سَابِقُہٗدَاوَمَا کُنَّا لَنُشَکَّکَیْ سَوَکَاکَ اِنَّ هٰذَا سَابِقُہٗ (اعراف ع ۵) بعد اس کے جب وطن کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تب مجھے خیال ہوا کہ وطن پہنچنے پر تو ضرور سخت شدہ کے مطابق ہماری سخت مخالفت ہوگی۔ اور میری دونوں کریاں ہیں ایک تو برہمن بدیہ کے ہائی سکول کے ہیڈ مولوی کا عہدہ۔ دوسری قضا یعنی سیرج رجسٹرار کی کا عہدہ یہ دونوں کریاں گویا میرے دو پاؤں ہیں اور کہتے جو آدمی کو کاٹتے ہیں تو اکثر دونوں پاؤں میں سے کسی میں کاٹتے ہیں۔ پس مخالفین جو مجھ کو ضرر پہنچاویں گے۔ تو انہی دونوں نوکریوں کے درجہ کیونکہ کسی میں زیادہ تران کا قابو ہے۔ میں بہتر ہے کہ مقام برہمن بدیہ میں راجل ہونے کے قبل ہی میں ان دونوں نوکریوں کو چھوڑ دوں تاکہ مخالفین مجھ پر قابو نہ پائیں۔ یہ تجویز میں نے حضرت خلیفہ اول کے سامنے پیش کی۔ آپ نے اس

کو پسند نہ کیا اور فرمایا۔ کہ اگر آپ اسے کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کے رزق کے لئے ایک نہ ایک صورت لگا دی ہے۔ اگر اپنے ہاتھ سے اس کو توڑیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ سے ناراض ہوگا۔ اور اپنے رزق کی صورت خود آپ کو کرنی پڑے گی۔ ورنہ آپ تکلیف میں پڑیں گے۔ ہاں اگر لوگ آپ کی زخود چل جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ دوسری صورت پیدا کر دے گا۔ کہ قتل۔ ہیبت

خدا مگر حکمت بہ ہمدرد دے
کشیدہ فضل و کرم دگرے

انغرض حضرت مولوی صاحب کے فرمانے کے مطابق میں نے اپنی نوکریوں کو نہ پھوڑا اور یہ بھی حضرت مولانا نور احمد بن صاحب خلیفۃ المسیح سے رخصت ہو کر قادیان سے بٹالہ کے سٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ یکہ میں بہت مکان ہوتی ہے اس لئے ایک ٹم ٹم کر کے چلا تھا اور ٹم ٹم ٹم سے کہہ پاتا تھا کہ جب مولوی محمد حسین کے مکان کے قریب پہنچے تو ضرور مجھے مطلع کرے جب ہم بٹالہ پہنچے اور کچھ دور آگئے تو گاڑی والے نے کہا کہ آپ لوگ جس مولوی صاحب کا مکان تلاش کرتے ہیں ان کا مکان یہی ہے۔ تب میں نے ٹم ٹم کڑا کر یا در مولوی محمد حسین کے سامنے رسالے اپنے ہمراہی امداد علی کو دے کر کہا کہ ان کو دواہیں دے کر جہد چھ آویں۔ ہم لوگ آگے بڑھتے ہیں۔ اگر مولوی محمد حسین میری بابت پوچھتے تو کہہ دینا کہ وہ سٹیشن پر چھ گئے ان کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ قادیان میں ان کو بخار ہو گیا تھا۔ مولوی امداد علی نے وہاں جا کر دیکھا کہ مولوی محمد حسین مسجد میں نماز ظہر پڑھ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر توقف کر کے پر جب انہوں نے نماز ختم کی۔ تب مولوی امداد علی نے کہا میں ان کے

حوالہ کیں اور واپس آنا چاہا۔ مگر وہ انہیں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور قادیان کی کچھ بانیں پوچھنے لگے۔ اول تو یہ پوچھا کہ مولوی صاحب کہاں ہیں۔ جس کا مولوی امداد علی نے وہی جواب دیا جو میں نے کہہ دیا تھا۔ پھر پوچھا کہ آپ سب احمدی ہوئے یا محمدی رہے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ احمدی ہو گئے ہیں دھاکے کھینچتے گا۔ یہ کہہ کر مولوی امداد علی بہ غفلت تمام چپے آئے۔ ورنہ ہمارے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ہم اسٹیشن بنالہ پہنچے۔ اور ظہر کی نماز ادا کی۔ اتنے میں ایک احمدی بھائی نے کہا کہ عصر کی نماز گاڑی پر پڑھنی مشکل ہوگی۔ بہتر ہے کہ ظہر کے ساتھ عصر کی نماز جمع کر لی جاوے۔ لہذا ہم سب محمدیوں نے جو وہاں جمع ہو گئے تھے عصر کی نماز بھی پڑھ لی۔ نماز ادا کر لینے کے بعد اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر شل رہا تھا کہ دیکھا کیا جوں کہ مولوی محمد حسین صاحب ہٹاوی دو میل کا فاصلہ پایا وہ طے کر کے آیا اور السلام علیکم کہہ کر مجھ سے کہنے لگا کہ مولوی صاحب! آپ مجھ سے ملاقات تک نہ کر کے آئے۔ میں نے اس کا وہی جواب دیا جو مولوی امداد علی سے دیا تھا۔ کیا تکہ فی موقع میری طبیعت اس دن ایسی خراب تھی کہ بات کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ پھر مولوی محمد حسین مجھ سے پوچھنے لگا۔ کہ قادیان میں آپ نے کیا دیکھا۔ میں نے کہا کہ قادیان کوئی نمائش گاہ یا تماشائی جگہ تو ہے نہیں۔ ہاں بہت دنوں سے میں اس سلسلہ کے متعلق غور کر رہا تھا قادیان جا کر چند روز تک رہنے اور جناب مولوی نور الدین صاحب سے بات چیت کرنے سے میرے جو شبہات تھے وہ سب دور ہو گئے اور شرح صدر حاصل ہو گیا۔ ہاں میں نے بیعت کر لی ہے میرے اتنا کہنے پر مولوی محمد حسین نے پتی جیب سے ایک گلی فتویٰ نکالا اور پڑھ کر مجھے سنانے لگا۔ ہر چند میں نے منع کیا کہ میں اسے سنا نہیں چاہتا کیونکہ مجھے بھی فتویٰ بہت لکھتا آتا

ہے۔ یہ موسم کی ٹاک ہوتی ہے لکھنے والے جدھر پھیرنا چاہتا ہے ادھر ہی پھرتی ہے اس پر بھی وہ نہ رکا۔ اس فتویٰ کے عنوان پر یہ سوال لکھا ہوا تھا کہ مرزا قادیانی اور اس کے اتباع مسلمان ہیں یا کافر۔ یہ سکر مجھے بھی کچھ غیظ آگیا۔ اور میں اس سے کہنے لگا۔ کہ سنے تو سہی۔ آپ نے تو مرزا صاحب کے خلاف اہتمام ہی سے لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن اس فتویٰ نویسی کا نتیجہ کیا ہوا۔ یہی کہ آپ فتوے لکھتے لکھتے نیچے کی طرف جا رہے ہیں، اور مرزا صاحب بلندی کی طرف صعود کر رہے ہیں۔ پھر بھی آپ کا فتویٰ لکھنے کا شوق کم نہیں ہوا۔ کیا یہ فتویٰ آپ نے لکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے نہیں لکھا۔ بلکہ دیوبند کے کسی مدرس نے لکھا ہے جب میں نے اس مدرس کا نام پوچھا تو نام نہ بتایا پھر میں نے کہا کہ دیوبندیوں اور وہابیوں کے خلاف عرب و عجم سے آئے ہوئے مطبوعہ فتاویٰ یکفرت میرے پاس موجود ہیں۔ آپ ان سب کا کیا جواب دیتے ہیں۔ اور کس سے فیرتی ہے آپ مرزا صاحب کے خلاف فتویٰ لکھتے ہیں آپ کو شرم نہیں آتی۔ اگر کوئی پوچھے کہ مذہب حسین وہابی اور اس کے اتباع مسلمان ہیں یا کافر۔ تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔ تب بہوت سا ہو رہا۔ اس وقت میں نے کہا آپ ذرا خیال تو کریں کہ آپ کیا سے کیا ہو گئے؟ تنے میں شمد کے ایک معزز احمدی جو وہاں موجود تھے مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ جناب مولوی صاحب یہ بناوٹی صاحبان گلے دنوں جب شمد جاتے تو اسٹیشن پر روک استقبال کے لئے جاتے تھے۔ مگر اس دن کی بات ہے کہ جب یہ ہمارے شہر میں پھر گئے تو کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہ دیکھا یہاں تک کہ جیلینے کی جگہ بھی نہ آئی۔ آخر پناپاسٹھا۔ ایک جگہ بچھا کر بیٹھ گئے۔

الکھتران سب باتوں سے مولوی محمد حسین کو بھی کچھ غیظ آگیا اور غصہ ہو کر

کہنے لگا کہ میں نے ”اشاعت السنہ“ کی غین جلدیں جو آپ کو دی تھیں وہ واپس کر دیجئے۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو وہ جلدیں مجھے پہہ کر دی ہیں۔ مولوی بٹاوی نے کہا۔ کہ میں آپ کو یہ نہ سمجھتا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ تو اہل حدیث کہاتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ **اَلرَّاجِعُ حَقٌّ رَّحِيْمٌ** کی **الرَّاجِعُ حَقٌّ قَبِيْہٌ**۔ پس جب تک آپ صحیح حدیثوں سے وہ سے رجوع کرنے کا جواز ثابت نہ کریں گے میں ہرگز کہتا ہوں وہیں نہ دس گا۔ اتنے میں گاڑی آگئی اور ہم سب عجلت کے ساتھ گاڑی پر سوار ہو گئے۔ در مولوی محمد حسین اپنے مکان کی طرف سہ ہمارے۔ فی الواقع وہ موقع بھی ایسا نہ تھا کہ ”اشاعت السنہ“ کی وہ جلدیں اس وقت انہیں وہیں کی جوتیں کیونکہ اسباب ہمارے بالکل بندھے ہوئے تھے۔ اور ریل گاڑی کی آہ آہ تھی۔ ایسے وقت میں اسباب کا کھونا ورنہ میں نکات مشکل تھا۔ مگر ممکن ہو آقا میں ضرور کتابیں واپس کر دیتا۔

غرض بٹاوی سے روانہ ہو کر لاہور پہنچا وہاں احمدیہ سنڈنگس میں ۱۹۱۲ء میرزا یعقوب بیگ اور ڈاکٹر محمد حسین شاہ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے بڑی خاطر تواضع کی۔ اور نہایت پر تکلف کھانے کھلائے وہ زمانہ خلیفہ اول کا تھا اور میرے قادیان میں قیام کے زمانہ میں یہ لوگ ایک مرتبہ قادیان بھی گئے تھے اور وہیں ان سے روشناسی ہوئی تھی، اس وقت یہ لوگ غیر مبائع اور پیچیدہ فریق نہ تھے۔ دوسرے دن خبر پانے ہی جناب حکیم محمد حسین صاحب قریشی بھی آگئے۔ ان کی ملاقات سے بہت ہی فرحت و غری حاصل ہوئی۔ کیونکہ آدمی بہت ہی عمدہ ہیں اور انہی کے ذریعہ اور مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خبر پہنچی تھی۔ جیسا کہ ادانکل رسالہ میں اس کا ذکر آچکا ہے میرے لاہور قیام تک

عظیم صاحب اکثر میرے ساتھ رہے۔ اور جب میرے پاس آتے۔ تو کچھ نہ کچھ
باشیت منقسم منطائی اپنے ساتھ لاتے۔ اور ایک دن پر تکلف و عورت بھی کی۔ شہر
لاہور کی میر بھی کرائی ورنہ شے دکھائے۔ ہاں خول ہو رہے روانہ ہو کر ہم کلکتہ
واپس پہنچے جہاں کلکتہ پہنچنے کے بعد مجھے بخار آگیا تھا۔ اس لئے کئی دن وہاں ٹھہرنا
پڑا بعد فائدہ کے کلکتہ سے روانہ ہو کر اپنے وطن برہمن بڑیا پنچا۔ اور ملت اللہ
کے مطابق اہل وطن مریدین و متقدمین میں مخالفت شروع ہوئی جس کو اللہ
تعالیٰ نے ہدایت کی و ابھرت کر کے سلسلہ حق میں داخل ہوا۔ جس سے تقریباً
ہزار آدمی ہمساحری ہو گئے۔ رہا مخالفین کی مخالفت اس کی تفصیل بہت ہی
طویل ہے۔ جس کے لئے عینکہ رسالہ کی ضرورت ہے۔ **هَذَا مَا رَدُّا**
يُرَادُّهُ هَذَا الْمَقَامُ وَ عَسَىٰ سَوَاتُو كُنْ وَ يَهْدِي عَصَاكُمْ وَ صَلَّىٰ لَهُ
عَسَىٰ مُحَمَّدٌ مِّنْ بَنِي آدَمَ وَ لِيُوَصِّلَكُمْ وَ أَصْحَابَهُ نَكْرَام

در خطوط واجب الاشاعت

یہاں اس اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس رسالہ جدیدہ الحق
کے کچھ صفحے چھپ جانے کے بعد اس کے مصنف میرے داماد ماجد حضرت مولانا
سید محمد عبد الوحید صاحب تاریخ ۲-۵۰ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ جمعرات کی
شام کو ۹ بجکر ۲۳ منٹ پر ۷۳ برس کی عمر میں دارقانی سے سرائے جاورانی کی
طرف رحلت کر کے اپنے مولا سے جا ملے۔ **يَا لَيْلَهُ وَ يَا يَهْدِي اِجْعَلُوْنَ ۱۱**
مرحوم کی وفات کے بعد اس رسالہ کا تیسرا حصہ چھپ لگا۔ تب میں نے مناسب
سمجھا کہ اس رسالہ کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ دو خطوط جو

حضور علیہ السلام نے میرے والد مرحوم کو لکھے تھے۔ اور وہ ایک محفوظ تھے۔
 شائع کر دیئے جائیں۔ تاکہ حضور کے الفاظ بھی محفوظ ہو جائیں۔ اور جناب
 حکیم عمر حسین صاحب قریشی کا جس کے ذریعہ والد مرحوم کو حضرت مسیح موعود
 علیہ السلام کے دعوتی فی خبر سب سے پہلے ملی تھی اور آخری محبت نامہ لکھی
 پھیل چکے جو حضرت والد مرحوم کی وفات سے تقریباً ایک ماہ قبل آیا۔ اور
 ناظرین سے درخواست ہے کہ میرے والد مرحوم کے لئے دعاء مغفرت فرما کر
 مشکور فرمادیں۔ زیادہ کیا تحریر کروں۔ والسلام

خاتون سید سعید احمد جونی میٹھرنکاں جدیہ ایسوسی ایشن
 مقام برہمن پور ضلع پٹنہ بنگال

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو خط بنام

مولانا سید محمد عبدالواحد صاحب مرحوم

محنت غویم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط نامہ پہنچا اس وقت میں ساریت قلیل الفرمیت ہوں۔ مگر میں
 نے ارادہ کیا ہے کہ آپ کے شہادت کا وہ آپے یک رسا۔ میں جو میں نے
 لکھنا شروع کیا ہے لکھ دوں یہ رسالہ مگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو لو مہر ۱۹۰۵ء تک
 ختم ہو جائے گا۔ اور پھیل جائے گا۔ یہ آپ سے دم ہو گا کہ آپ نو مہر کے آخر
 لکھنا نہ رہا میں جناب حکیم عمر حسین قریشی صاحب نامہ کو راجع شامل میں تھا اس نے منہ

میں شائع نہیں کیا جا رہا تھا

میں یادِ کمبر ۱۹۰۵ء کے ابتداء میں مجھے اطلاع دیں۔ تو میں رسالہ آپ کی خدمت میں بھیج دوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ رسالہ کے دیکھنے سے علاوہ آپ کے شبہات کے ازالہ کے اور بھی کئی قسم سے آپ کی واقفیت بڑھے گی۔ اگرچہ میرے نزدیک یہ معمولی اعتراضات ہیں جن کا متفرق کتابوں میں بار بار جواب دیا گیا ہے۔ مگر چونکہ تحریر سے سعادت اور حق طلبی مترشح ہو رہی ہے اس لئے محض آپ کے فائدہ کے لئے یہ تکلیف اپنے پرگوارا کر لوں گا۔ آپ کے فہم اور مذاق کے مطابق جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا لکھ دوں گا۔ آئندہ ہر ایک امر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مجھے امید تھی کہ یہ باتیں ایسی سہل اور راہ پر پڑی ہیں کہ آپ تھوڑی سے توجہ سے خود ہی ان کو حل کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں کوئی مصلحت الہی ہو گی کہ مجھ سے آپ نے جواب مانگا۔ زیادہ خیریت ہے۔

والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد غفری عنہ

قادیان۔ گورداسپور، پنجاب

خط نمبر دو

محییٰ الخویم سید محمد عبدالواحد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ پانچواں۔ دو تین ہفتہ سے پھر بنا رہوں۔ اس لئے کام چھوڑا لی
کتاب کا ابھی شروع نہیں کر سکا۔ آپ کے لئے اعتراض بھی میری نظر سے
گزرے۔ خدا تعالیٰ کو آپ کو تسلی بخشنے آمین۔ میں اگر ان اعتراضات کا جواب
لکھوں تو طول بہت ہو جائے گا۔ اور میں اپنی متفرق کتابوں میں ان کا جواب
دے چکا ہوں میں نے یہ تجویز سوچی ہے کہ جس طرح ہو سکے آپ ایک ماہ کی
رخصت لے کر اس جگہ آجائیں۔ آمد و رفت کا تمام کرایہ میرے ذمہ ہوگا۔
اس صورت میں ایک ماہ کے عرصہ میں آپ پوری تسلی سے سب کچھ دریافت
کر سکتے ہیں اور انشراح صدر خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن اپنی طرف سے
ہر ایک بات سمجھادی جاوے گی۔ اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آوے تو مقام
افسوس نہ ہوگا۔ اور اس صورت میں آپ اس تمام کتاب کو جس میں آپ کے
اعتراضات کا جواب ہے قبل از اشاعت دیکھ سکتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ
نہایت عمدہ طریق ہے۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ مجھے خرچ آمد و رفت بھیجے گی

کچھ تکلیف ہوگی۔ کیونکہ آپ کی تحریر میں رشد اور سعادت کی بو آتی ہے اور آپ جیسے رشد کے لئے کچھ مال خرچ کرنا موجب ثواب اور اجر آخرت ہے۔
جواب سے ضرور مطلع فرمادیں۔

والسلام

راقم میرزا غلام احمد عفی عنہ

۲۳۔ جنوری ۱۹۰۶ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مؤلف مرحوم کا یہ تبلیغی سفرنامہ خاکسار نے طالبان حق کے لئے
دو سری بار چالیس سال بعد شائع کیا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے طالبان
حق کے لئے بابرکت بنائے آمین۔

خاکسار

حکیم عبداللطیف شاہد صاحب کتب

۱۴- مین بازار گوالمنڈی لاہور

۲۰- دسمبر ۱۹۶۶ء